شہپارۂ ادب ہوا اگر وارداتِ دل
نقش و نگارِ فکر میں ہو جائے منتقل

وارداتِ دل

ناصر الدین مظاہری

شائع کردہ

شہپارۂ ادب ہوا گر واردات دل
نقش و نگار فکر میں ہو جائے منتقل

واردات دل

مصنف

مفتی ناصر الدین مظاہری

شائع کردہ: الغزالی فورم

www.algazali.org

﴿جملہ حقوق محفوظ ہیں﴾

کتاب: واردات دل

تحاریر: مفتی ناصرالدین مظاہری صاحب استاذ مظاہر علوم (وقف) سہارنپور

ضبط و ترتیب: محمد داؤدالرحمن علی

باہتمام: الغزالی اردو فورم

ویب سائٹ: www.algazali.org

بسم الله الرحمن الرحيم

﴿فہرست مضامین﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ الکریم امابعد!

خدا جانے طالب علمی کا کون سا سال یا کون سا درجہ رہا ہوگا، صرف اتنا یاد ہے کہ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا ایک نبی کھڑے ہیں، ان کے دائیں بائیں بھی کچھ خدام نہایت ادب کے ساتھ خاموش کھڑے ہوئے ہیں، کوئی کچھ بھی نہیں بول رہا ہے، نبی کا جاہ و جلال ایسا کہ بالکل سناٹا طاری تھا، نبی کے جسم مبارک سے نور کی شعاعیں نکلتی محسوس ہورہی تھیں۔

وہ منظر مجھے اب بھی یاد ہے، نبی کے دست مبارک میں ایک کتاب کھلی ہوئی تھی، میں ان کی خدمت میں پہنچا، قلم اٹھا کر غالباً نقطہ یا نقطہ کے بقدر کچھ لکھا اور واپس اپنی جگہ چلا گیا۔ یہ واقعہ میرے دورِ طالب علمی کا ہے، اتنا ضرور یاد ہے کہ اُس وقت میں زید پور سے سہارنپور آچکا تھا۔

مقصداس خواب کے بیان کرنے کا صرف یہ ہے کہ میں طفل مکتب ہوں ، میں نے باقاعدہ لکھنے کا کوئی کورس نہیں کیاہے، مضمون نویسی ایک مستقل فن ہے،اس فن کے بڑے بڑے ماہرین موجودہیں،لکھتے وقت بھی ڈرتاہوں کہ جب یہ تحریریں صاحبان علم کے سامنے پہنچیں گی تووہ اس میں ہزار خامیاں نکال دیں گے۔

لیکن جب صاحبان علم و قلم کے تعریفی کلمات اور حوصلہ افزا جملے سنتاہوں توصرف اللہ تعالیٰ کا شکراوراپنے بزرگ اساتذہ اور والدین کے لئے دعائے خیر کرتاہوں کہ یہ نو دمیدہ غنچہ ان ہی کی محنتوں اور دعاؤں کی بدولت اپنے مافی الضمیر کو قارئین کرام تک پہنچالیتاہے۔

محترم مولاناکلیم احمد قاسمی بارہ بنکوی(مقیم حال بنگلور) بڑی خوبیوں کے مالک ہیں، عرصہ پہلے انہوں نے فیس بک پر مجھ سے رابطہ کرکے فون کیااورعلیک سلیک کے بعدالغزالی اردوفورم کاتعارف کرایا،میں فورم پر پہنچاتووہاں ایک دنیاپڑھے لکھوں کی موجود تھی،مجھے ایسے ماحول کی ضرورت تھی۔

لہذامیں فورم کے لئے فورم پرلکھتا گیا،لکھااور خوب لکھااتنالکھاکہ شاید میری پچاس فیصد تحریریں فورم پر مل جائیں۔وہاں لوگ اپنے تاثرات کااظہار کرتے تھے، مثبت اور منفی باتیں ہوتی تھیں، تحریر میں تبدیلیاں بھی کرنی پڑیں اوریہی محنتیں آج الحمداللہ ”واردات قلب“ کی شکل میں آپ کے سامنے ہیں۔

میں نے شخصیات کے تعلق سے اس فورم پر بہت لکھا ہے بلا مبالغہ اگر شخصیات والے تمام مضامین کتابی شکل میں آجائیں تو کئی جلدیں تیار ہو سکتی ہیں لیکن مسئلہ وہی ہے دُھن تو ہے پر دَھن بھی تو چاہئے۔

بہر حال میں محترم مولانا داؤدالرحمن صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے عاجز کی چند تحریروں کو کتابی شکل دیدی اللہ کی ذات سے قوی امید ہے کہ یہ مجموعہ دونوں ملکوں میں کتابی شکل میں ضرور اشاعت پذیر ہو گا۔

﴿ناصرالدین مظاہری﴾
مظاہر علوم (وقف) سہارنپور
۱۸؍ شوال المکرم ۱۴۴۴ھ

بسم الله الرحمن الرحیم

أحمده واصلی علی رسوله الکریم امابعد!

حضرت مولانا مفتی ناصرالدین مظاہری صاحب مدظلہ العالی کی کتاب ”واردات دل“ کی فہرست دیکھی اور چند مضامین پڑھے تو معلوم ہوا کہ کتاب میں کتابیں ہیں کیونکہ اس میں مختلف مضامین جمع کیے گئے ہیں ہر مضمون مستقل کتاب ہے۔اصلاح کا بہترین طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔

عبارات آسان، فصیح اور پُر مغز ہیں۔پڑھنے والوں کا دل و دماغ معطر ہو جاتا ہے۔ عمل کرنے سے بہت سے اختلافات دور ہو جاتے ہیں اور جن اعمال میں کوتاہیاں اور بے اعتدالیاں پائی جاتی ہیں وہ اعتدال عمل میں لائے جا سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مفتی صاحب کی کاوش اور ہمدردی قبول فرمائے اور ہم سب لوگوں کو اس سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین ثم آمین

وآخر دعوانا ان الحمدالله رب العلمین

﴿ابو عبید خادم حسین غفرلہ﴾
جامع مسجد مکی و جامعہ عثمانیہ گلشن بلاک لاہور پاکستان
۲۹ شوال المکرم ۱۴۴۴ھ بمطابق ۱۹ مئی ۲۰۲۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

أحمدہ واصلی علی رسولہ الکریم امابعد!

حضرت مفتی ناصرالدین صاحب مدظلہ پر اللہ سبحانہ وتعالی کی خاص بخشش وعنایت ہے۔ درس، تدریس اور خطابت کے ساتھ اللہ پاک نے لکھنے کا بڑا ملکہ عطا فرمایا ہے، ان کی تحریریں ذوق اور شوق سے ہندوپاک میں مشتہر بھی رہتی ہیں اور پڑھنے والوں کا بڑا حلقہ ان کے اسلوب نگارش کا معترف ومداح بھی ہے۔ مفتی صاحب مدرسہ مظاہر علوم (وقف) سہارنپور میں مدرس اور اس کے ترجمان رسالہ ماہنامہ ''آئینہ مظاہر علوم'' کے مدیر اور تقریباً درجن بھر کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ مفتی صاحب کا قلم مختلف موضوعات پر رواں دواں رہتا ہے، آپ کی تحریریں علم وادب سے مزین اور پر لطف ہوتی ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ ہمیں توپڑھنے میں بڑا لطف آتا ہے۔

ان تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ اللہ تعالی نے مفتی صاحب کو حسن خطابت سے بھی خوب خوب نوازر کھاہے۔ ہر موقعہ پر پُر اثر اور دلنشیں پیرائے میں ہر سطح کے سامع کو اپنی بات سمجھانا حضرت کا خصوصی کمال ہے۔ پھر بزرگوں کی صحبت کی برکت سے لوگوں کی اصلاح کا جذبہ کہ کسی طرح کہ لوگ روحانی طور پر درست ہو جائیں حضرت کے بیانات کا لازمی حصہ ہے۔

گویا حضرت کے بیانات و خطبات شریعت و طریقت کا ایک حسین امتزاج ہوتے ہیں۔ان بیانات اور خطبات میں عالمانہ تحقیق، فقیہانہ نکتہ وری کے ساتھ ساتھ، ایک بلند پایہ صوفی، مصلح اور مربی کی سوچ بھی جلوہ نما ہوتی ہے۔

یہ کتاب مفتی صاحب کے کچھ دلفریب مضامین کا مجموعہ ہے۔ کتاب میں بھی اہل ذوق کی تسکین کا سامان وافر مقدار میں موجود ہے اور علم وادب کے ساتھ ساتھ موعظت و نصیحت اور دینی اعمال میں لگے رہنے کی ترغیب بھی ہے۔... یہ کتاب... صالح معاشرہ کی تعمیر و تشکیل کے باب میں ان شاءاللہ کلیدی کردار ادا کرے گی۔

اس کتاب کے اندر معاشرتی برائیوں کا ذکر بھی ہے اور ان کا حل بھی۔ روحانیت بھی ہے اور جمالیات بھی۔ مجھے کہنے دیجئے کہ یہ کتاب جہانِ محبت کی حمد گاتی صبح ہے وہیں تیرہ وتار جذبوں اور فکر و نظر کی تاریکیوں کو روشنی بخشنے والی حدیثِ دل بھی ہے، جہاں آپ کو بلبل کا ترنم

اور دوستی کی صداقت محسوس ہوگی وہاں دریاؤں کا خروش اور تباہ کن خطرات اور اندیشہ ہائے پرخطر سے بچنے کی تدابیر بھی ملیں گی۔

یہ کتاب جہاں مٹی کی طرح مطیع، حطیم حسن اور جلترنگ کی لے پر محور قص ہے وہاں اس کے اندر شمع کے متلاشیوں اور نور کے جویایوں کے مقابلے میں کہکشاں کو کمان میں کسنے والے اور داستان کے ابواب کے اندر المیوں کی رنگ آمیزی کرنے والی بھی ہیں۔

اس کتاب میں جہاں یہ کوشش کی گئی ہے کہ قاری کو اس کے ذریعے معاشرے میں موجود برائیوں اور قباحتوں سے روشناس کرایا جائے وہیں اس کے اندر مضمون کے سارے لوازمات، دلفریبی کی ساری ضرورتیں اور کتاب و قاری کی ہر مانگ کو سامنے رکھا گیاہے۔

سال گزشتہ ان کی تازہ ترین اور۲۰۲۳ میں سب سے مقبول کتاب ’’یہ تھے اکابر مظاہر‘‘ ہندوپاک سے ایک ساتھ شائع ہوئی اور ایک دو ماہ میں دونوں ملکوں کے ایڈیشن ختم ہوگئے۔ یہ جہاں ایک طرف مفتی صاحب پر اللہ کا بے پایاں کرم ہے وہیں ان کے والدین، اساتذہ اور بڑوں کی دعاؤں کا نتیجہ بھی ہے۔

نیٹ کی دنیامیں ’’الغزالی اردو فورم‘‘ کی قبولیت اور صاحبان علم و قلم کی کہکشاؤں نے فورم کی افادیت میں خاصا اضافہ کردیاہے، چند گھنٹوں کے علاوہ آپ کو اس فورم سے استفادہ کرنے والوں کی ایک تعداد آن لائن ملے گی۔ قارئین کے اس شوق واشتیاق کو دیکھ کر الغزالی

فورم پر قیمتی مواد،اس کے ترجمان ''افکار قاسمی'' کے معیاری مشمولات اور وقتاً فوقتاً خوبصورت خصوصی شمارے نذر قارئین کئے جاتے رہے ہیں۔

اسی فورم پر مفتی صاحب کے بے شمار قیمتی مضامین کی ایک طویل فہرست موجود ہے ،میری خواہش تھی کہ میں ان منتشر مضامین کو مرتب کرکے الغزالی اردو فورم کی طرف سے قارئین کرام کے لئے ایک ''نئی سوغات'' پیش کروں،چنانچہ میں اپنی کوشش میں کہاں تک کامیاب ہواہوں اس کا فیصلہ معزز قارئین کرام کریں گے۔

حضرت کے اِن پر مغز، اصلاحی اور آسان بیانات کو حضرت مفتی صاحب کے تجویز کردہ نام ''واردات دل'' کے نام سے الغزالی فورم سے برقی صورت میں شائع کیا جارہاہے۔اس کتاب میں حتی الوسع ضبط و ترتیب کا خیال رکھا گیاہے۔آیات واحادیث کی تخریج بھی کردی گئی ہے۔پھر بھی اگر کوئی غلطی نظر سے گزرے تو ازراہ کرم مطلع فرمایئے۔

اللہ تعالی ''الغزالی فورم'' کی اِس کاوش کو قبول فرمائے اور ہم سب کو عمل کی توفیق عطاء فرمائے اور حضرت مفتی صاحب کو صحت وعافیت عطاء فرمائے تاکہ ہم ان کے مضامین سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہوسکیں۔

امید ہے کہ علم دوست حضرات کتاب حاصل کرکے ضرور مستفید ہوں گے ، ہم مفتی صاحب کی خدمت میں اس گراں قدر علمی کاوش اور خوبصورت پیشکش کے لیے ہدیۂ تبریک و تشکر پیش کرتے ہیں۔

دعاؤں کا طالب

﴿ محمد داؤدالرحمن علی ﴾

منتظم اعلی الغزالی فورم و مدیر افکار قاسمی و نوائے خادم

خادم جامعہ عثمانیہ گلشن بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

آگ اور چراغ بجھا کر سونے کا حکم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، اچانک ایک چوہیا چراغ کی بتی کو کھینچتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائی اور قریب میں ہی وہ بتی ڈال دی، چراغ کی بتی چونکہ جل رہی تھی اس لئے وہ چٹائی جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اس کا کچھ حصہ بھی جل گیا، یہ سارا منظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دیکھا اور اپنے اصحاب کو مخاطب بنا کر فرمایا: **اذا نمتم ، فاطفئوا سرجکم فان الشیطان یدل مثل هذه علی هذا فتحرقکم** (جب سونے لگو تو اپنے چراغوں کو بجھا دیا کرو، کیونکہ شیطان چوہیا جیسی چیزوں کو ایسی باتیں سجھاتا ہے تو وہ تم کو جلا دیتی ہے"۔[1]

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رات کو مدینہ میں کسی کا گھر جل گیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ آگ

---

(1) ابوداؤد

تمہاری دشمن ہے، جب سونے لگو تو اس کو بجھادو۔ **ان هٰذه النار انما هی عدو لکم، فاذا نمتم فاطفئوها عنکم**[2]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"جب سونے لگو تو آگ گھر میں موجود نہ رہنے دو (بجھا کر سوؤ)۔"[3]

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب رات شروع ہو جائے یا رات کی تاریکی شروع ہو جائے تو اپنے بچوں کو باہر نکلنے سے روک لو، کیونکہ اس وقت شیطان پھیل جاتے ہیں، پھر جب رات کا کچھ حصہ گزر جائے تو انہیں چھوڑ دو، اور اللہ کا نام لے کر اپنا دروازہ بند کر لو، اللہ تعالی کا نام لے کر اپنے چراغ بجھادو، اللہ کا نام لے کر اپنے مشکیزے کا منہ باندھ دو اور اللہ تعالی کا نام لے کر اپنے برتنوں کو ڈھک دو، خواہ آڑے طور پر ایک لکڑی ہی رکھ دو۔[4]

---

(2) مشکوۃ

(3) بخاری

(4) بخاری و مسلم

یہ موضوع میرے ذہن میں اس لئے آیا کہ کل ہی یوپی کے ضلع مئو میں شاہ پور نامی گاؤں میں ذراسی بے توجہی نے چار بچوں سمیت پانچ کی جان لے لی، ہوا یہ کہ گھر والوں نے رات کا کھانا کھایا،آگ بجھائی گئی لیکن کوئی چنگاری زندہ رہ گئی، گھر والے سورہے تھے ،چنگاری سلگ رہی تھی ،رفتہ رفتہ چنگاری نے چولھے کوروشن کردیا،وہاں قریب میں لکڑیاں جلنے لگیں اور پھر ''اس گھر کوآگ لگ گئی گھر کے چراغ سے'' والی کہاوت صادق آئی۔

عام طور پر گاؤں دیہاتوں میں لکڑیوں سے کھانا پکتا ہے،راکھ کو کوڑے دان میں پھینک دیا جاتا ہے،ذراسی بے احتیاطی کی وجہ سے راکھ میں موجود کچھ چنگاریاں دوبارہ ہوا لگنے سے بھڑک کرآگ زنی کاذریعہ بن جاتی ہے۔بہت مرتبہ لوگ اپنے گھر میں جل رہے چراغ کو نہیں بجھاتے ہیں،رات میں بے خیالی میں چراغ گرجاتا ہے،اس میں موجود مٹی کا تیل زمین پر پھیل جاتا ہے،اس تیل سے بھیانک آگ لگ جاتی ہے۔

میری والدہ ماجدہ راکھ کو کسی چیز کے ذریعہ برتن میں نہیں بھرتی تھیں بلکہ اپنے ہاتھ سے بھرتی تھیں اور بچیوں کو سمجھایا کرتی تھیں کہ اس عمل سے آگ کی بابت صحیح پتہ چل جاتا ہے کہ زندہ راکھ تو نہیں رہ گئی ہے۔

اصل میں مائیں غفلت کرتی ہیں وہ اگر شروع میں ہی اپنی بچیوں کی نگرانی اور تربیت کرتی رہیں تو بعد میں بچیاں خود ہوشیار ہوتی چلی جاتی ہیں لیکن مائیں اگر غافل ہوں یا غفلت کا

مظاہرہ کریں یا کاہلی اور کوتاہی اور غیر ذمہ دارانہ عمل کریں تو بچیاں اپنے حساب سے جو بہتر لگے گا کرنا شروع کردیں گی۔

آج بجلی اور گیس کس قدر مہنگی ہوگئی ہے، عورتیں دونوں کے بارے میں غیر ذمہ داری سے پیش آتی ہیں، پڑوسی ملک میں گیس ہمارے ملک کی بہ نسبت سستی ہے تو وہاں کی عورتیں گیس کو ہلکا کرکے یونہی جلتا چھوڑ دیتی ہیں تاکہ دوبارہ لائٹر یا ماچس جلانے کی تکلیف سے بچ سکیں۔

بہت سی عورتیں کمرے میں ہیٹر جلا کر سو جاتی ہیں، بعض تو الاؤ ہی روشن کرلیتی ہیں، عموماً دیکھا گیا ہے کہ چراغ یا بلب کو بجھانے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی جاتی ہے، یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ موبائل، ماچس یا لائٹر اپنے سر یا تکیہ کے نیچے رکھ کر سو جاتی ہیں، ایسی صورت میں کچھ بھی ممکن ہے، آگ سے کام نکالنے کے بعد اس کا بجھا دینا ہی دانائی کا تقاضا ہے، کیونکہ آگ کسی کی دوست نہیں ہوتی اس لئے اس کو بلا ضرورت غفلت میں جلتا ہوا نہ چھوڑا جائے۔

آپ آگ بجھا دیجئے ورنہ آگ آپ کو بجھا دے گی۔

تعزیت کی تعزیت

زندگی اور موت اللہ کے قبضہ وقدرت میں ہے، وہی زندگی دیتاہے اور وہی دی ہوئی زندگی جب چاہے واپس لے لیتاہے ،اس میں انسان کا کوئی کمال نہیں ہے، تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجز ہے، خلاقی اسی کو زیب دیتی ہے،رزاقی اسی کی شایان شان ہے، حی وقیوم کے لائق صرف وہی ہے، ہم سب تو چلتے پھرتے مجسمے ہیں جس کی حالت پتنگ جیسی ہے، پتنگ کہیں بھی چلی جائے، ہواؤں میں اڑے، پہاڑوں کی سیر کرے، فضاؤں میں گردش کرے، اٹکھیلیاں کرے لیکن اس کی ڈور کسی اور کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ہم نہ اپنی مرضی سے یہاں آئے ہیں نہ اپنی مرضی سے یہاں سے جائیں گے۔ہر سانس، ہر ساعت اور ہر گھڑی اسی کے محتاج ہیں۔

جنازوں میں شرکت کے حکم میں پس پردہ ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اس سے موت کو یاد کرنے کا موقع ملتاہے،اتباع جنازہ سے اپنے جنازے کا یقین پختہ ہوتاہے، مرنے والے کی نیکیاں بیان کرنے سے ثواب ملتاہے،ایصال ثواب کرنے والا بھی ثواب سے محروم نہیں رہتاہے، قبرستان جانے کی حکمتوں میں سے سب سے بڑی حکمت یہ ہے کہ اس سے خود اپنے انجام اور اپنے آخری آرام اور آرام گاہ کا خیال پختہ ہوتاہے، قبروں میں سوئے ہوؤں کو دیکھ

کر ہمیں بھی یہ سوچنے کی توفیق ہوتی ہے کہ بہت جلدان ہی قبروں کے درمیان ہماری بھی قبر ہوگی۔ نماز جنازہ پڑھنے، قبرستان جانے اور مردوں کے لئے دعائے مغفرت کرنے سے قلوب نرم ہوتے ہیں، گناہوں سے نفرت اور نیک کام کرنے کی توفیق ہوتی ہے۔ جنازہ جس وقت قبرستان کی طرف جارہاہوتاہے تواس سے ایک پیغام پیچھے چلنے والوں کے لئے ہوتاہے کہ

مرے پیچھے چلے آؤ تمہارا رہنما میں ہوں

اللہ والے موت کو بکثرت یاد کرتے ہیں، عبد اور معبود کے درمیان موت کی دیوار حائل ہے، اِدھر موت آتی ہے اُدھر بندہ اپنے خالق ومالک کے حضور پہنچ جاتاہے گویا موت لقائے رب کاذریعہ ہے۔**الموت جسر یوصل الحبیب الی لحبیب۔**

نہایت تعجب ہوتاہے جب مسلمانوں میں کسی کی موت پر مبالغہ کے ساتھ رنج وغم کیا جاتاہے، رنج وافسوس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف بیوی کواجازت دی ہے وہ بھی صرف عدت تک، اس میں بھی نوحہ، چیخ وپکار، نالہ وشیون، ماتم وسینہ کوبی وغیرہ سے سختی سے منع کیاگیاہے۔

اب توتعزیت کاسلسلہ کافی دن تک چلتارہتاہے، مرحوم کومرحوم ہوئے بھی ہفتہ عشرہ گزرگیاہے پھر بھی ''تعزیت مسنونہ'' کے اعلانات اور اشتہارات شائع ہوتے ہیں، لوگ جوق درجوق اس ''تعزیت مسنونہ'' کے پروگرام میں شریک ہوتے ہیں، پورے پروگرام میں

ایک بندہ بھی ایسا نہیں ملتا جو لوگوں کو تاکید کر سکے کہ بھائی! بے شک تعزیت مسنون ہے لیکن صرف تین دن، اس کے بعد سنت نہیں ہے اب یہ سنت کی مخالفت ہے۔

ہمیں تعزیت کا حکم ضرور ہے لیکن اس میں بھی قید لگادی گئی کہ تین دن سے زیادہ تعزیت بھی نہ کی جائے۔ چنانچہ فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

التعزية لصاحب المصيبة حسن، كذا في الظهيرية، وروى الحسن بن زياد إذا عزى أهل الميت مرة فلا ينبغي أن يعزيه مرة أخرى، كذا في المضمرات ووقتها من حين يموت إلى ثلاثة أيام ويكره بعدها إلا أن يكون المعزي أو المعزى إليه غائبا فلا بأس بها(5)

وارثین کے یہاں تین دن کے بعد بھی لوگوں کا تانتا لگا رہتا ہے، جب بھی کوئی پہنچتا ہے تو وارثین کا غم تازہ ہو جاتا ہے، تعزیت کنندگان بھی اپنی محبت اور مرحوم سے تعلق کو کچھ یوں بیان کرتے ہیں کہ وارثین زبان حال سے کہہ اٹھتے ہیں:

کچھ یاس سے تسکین دل مضطر کو ہوئی تھی

پھر چھیڑ دیا زخم جگر ہائے تمنا

(5) الهندية: دار الفكر

میت والوں کے گھر کھاناوغیرہ پہنچانا چاہئے کیونکہ اس حادثہ کی وجہ سے وہاں کھانا پکانے کی فرصت نہیں ملتی اور ہماری حالت یہ ہے کہ ہم میت والوں کے یہاں سے ہی کھا کراور چھک کرآجاتے ہیں۔

مسنون تعزیت یہ ہے کہ میت کی تدفین سے پہلے یا بعد میت کے اہل خانہ سے ملے ،ملاقات کرے، تسلی دے، دل جوئی کرے، صبر کی تلقین کرے،دعائیہ کلمات کہے، تعزیت مسنونہ کے لئے اگرچہ مخصوص طورپر متعین الفاظ نہیں ہیں تاہم کوشش کرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاصحابۂ کرام نے ایک دوسرے سے تعزیت کے لئے جن الفاظ وکلمات کا استعمال فرمایاہے ان کویااس کے مضمون کو بطور تعزیت استعمال کرے،اس کے علاوہ بھی صبر و تسلی کے لیے اپنے طورپر الفاظ کاانتخاب کرسکتاہے۔

اب تو ایک اور ''بدعت'' اور ''رسم'' تعزیت کے سلسلہ میں وجود میں آگئی ہے مثلاً نماز جنازہ میں شرکت کے لئے اپنی تنظیم یااپنے ادارے کی طرف سے کچھ منتخب لوگوں کو بھیجا جاتاہے جس کو ''نمائندگی''کانام دیاجاتاہے۔خاص کراِس زمانہ میں عام طورپرپڑھالکھاطبقہ مرتکب نظرآتاہے،آج کل بہت سے لوگ تعزیت اس لئے کرتے ہیں تاکہ وارثین کوشرکت نہ کرنے کاشکوہ نہ ہو،وارثین بھی خوب دھیان دیتے ہیں کہ کون آیاہے کون نہیں آیاہے۔غور کریں اگرہماری نیت جنازے میں شرکت سے صرف نمائندگی ہے یاجواب دہی

کا پہلو غالب ہے تو ''سنت'' کہاں ہے؟ ہم نے سنت کو ثانوی درجہ میں رکھ دیا اور نمائندگی کو پہلے درجہ میں رکھ دیا ہے۔

حضرت نافع بن جبیر کا ارشاد ہے: ''کہ جو شخص جنازے میں میت کے پسماندگان کو دکھانے کے لئے شریک ہو تو اسے جنازہ میں شریک ہی نہیں ہونا چاہیے۔**من شهد جنازة ليراه أهلها، فلا يشهدها۔** [6]

راوی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: ''اس غلطی میں تو بہتیرے لوگ مبتلا ہیں کہ وہ جنازے میں شرکت یا تعزیت کے لئے صرف اور صرف ملامت سے بچنے کی خاطر جاتے ہیں نہ کہ عبادت سمجھ کر جب کہ اس کی فضیلت اور اجر پر متعدد نصوص موجود ہیں اللہ تعالی اخلاص سے نوازے۔**قلت: هذا الخطأ يقع فيه كثير من الناس وصورته انهم يذهبون للجنازة وكذا أداء واجب التعزية لرفع الملامة على أنفسهم لا التقرب إلى الله عز وجل بأداء هذه العبادات التي جاءت النصوص ببيان فضلها وعظيم أجرها، فالله الله في الاخلاص۔**

اسی طرح حدیث شریف میں ہے

(6) کتاب سیر أعلام النبلاء(٤/٥٤٢)

من صلى على جنازة فله قيراط، ومن اتبعها حتى توضع في القبر فقيراطان،

قال قلت يا أبا هريرة ما القيراط قال مثل أحد۔

جو شخص نماز جنازہ میں شرکت کرے تو اس کو ایک قیراط اور جو شخص جنازہ کے پیچھے چلے یہاں تک کہ میت کو قبر میں دفن کر دیا جائے تو اس کے لئے دو قیراط ثواب ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ اے ابو ہریرہؓ! قیراط کیا چیز ہے؟ فرمایا: احد پہاڑ کے برابر۔

بے شک آپ کہہ سکتے ہیں کہ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ جنازہ میں شرکت نہ کرنے کی وجہ سے اہل علم سے جو بد ظنی اور بد گمانی عوام کو ہوئی ہے اس کو کیسے دور کیا جائے گا؟۔ کیا ہمیں ایسے مواقع پر سنت اور مستحب پر عمل کر کے غلط فہمی کے اندیشوں اور فتنوں کے خطروں پر قدغن نہیں لگانی چاہئے۔

ارتداد / ظہرالفساد

حاجی سمیع اللہ خان لکھیم پور کھیری کے قصبہ دھورہرہ کے رہنے والے ہیں، ایک دن میری ان سے ملاقات ہوئی تو بتانے لگے کہ تحصیل دھورہرہ کے تحت تقریباً دوسواسی گاؤں ایسے ہیں جہاں مسلمان موجود ہیں، ان میں سے تقریباً سو گاؤں میں مساجد نہیں ہیں۔

تبلیغی حضرات نے ایک گاؤں میں ایک مسلمان کو روک کر درخواست کی کہ مسجد تشریف لے آئیں، اس نے جواب دیا کہ اِسی سال تو میں کانوڑ یاترا لے کر گیا تھا۔اِسی جماعت کے ایک وفد نے بیان کیا کہ اسی علاقہ میں ایک مسلمان سے مسجد میں آنے کی اپیل کی گئی تو اس نے کہا کہ میں ابھی مسجد میں نہیں جاسکتا، وجہ پوچھنے پر اس نے بتایا کہ کچھ دن پہلے اس کے گھر میں بچے کی ولادت ہوئی ہے۔ایک سروے میں پتہ چلا کہ بارہ گاؤں کی مساجد میں پنج وقتہ نمازی صرف تین ہیں۔

یہ تو صرف دو مثالیں بتائی گئی ہیں ایسی مثالیں اور نظیریں آپ کو بغیر تلاش کئے ہر گھر میں مل جائیں گی، کفر جتنی تیزی سے ہمارے گھروں میں داخل ہورہا ہے اس کی وجوہ تلاش کرنے پر آئیں تو ہم میں سے ہر شخص خود کو مجرم پائے گا، احساس جرم کی وجہ سے ہماری گردنیں

جھک جائیں گی، پوری دنیا میں دارالعلوم دیوبند مظاہرعلوم سہارنپور کا شہرہ ہے لیکن اگرآپ ایسے غافل اور جاہل لوگ تلاش کرنا چاہیں جن کو کلمہ طیبہ بھی یاد نہیں تو دور جانے کی ضرورت نہیں ہے اِن ہی اداروں کے اڑوس پڑوس میں کئی نمونے آپ کو ایسے مل جائیں گے جن کو کلمہ طیبہ تو دور کی بات ہے اپنا صحیح نام بھی معلوم نہ ہو گا۔

دوسری طرف دیکھیں تو ہر گاؤں میں کئی کئی دینی ادارے موجود ہیں، ہر ادارہ باہری طلبہ کو اپنے مدرسہ میں رکھنے کے لئے کوشاں ہے، ہر ادارہ کی کمیٹی میں صرف مہتمم یا بانی کے گھر کے کچھ ایسے افراد مل جائیں گے جن کو کمیٹی کی کاف کا بھی علم نہیں ہے، یہ شاطر لوگ جب مدرسہ کی کمیٹی اور سوسائٹی رجسٹرڈ کراتے ہیں تو پہلے سے ہی ان کے من میں چور ہوتا ہے کہ کسی ہوشیار، تعلیم یافتہ اور جہاں دیدہ شخص کو ممبرشب نہ دی جائے ورنہ اس کو "ہر چیز" کا علم ہو جائے گا، کہیں بھی چلے جائیں مدارس کا جال نظر آجائے گا لیکن ہر جگہ جہالت اور اب ارتداد اس قدر پاؤں پسار چکا ہے کہ مرض ہی لا علاج ہو کر رہ گیا ہے۔ عوام علماء سے دوری بنا چکے، علماء اپنے خول اور حصار سے باہر نکلنے پر تیار نہیں، تبلیغی جماعت کو آپس میں لڑنے سے اور جمعیۃ علمائے ہند کو تزک واحتشام کے ساتھ پروگرام کرنے سے ہی فرصت نہیں ہے، چھوٹے مدارس کی اپنی اپنی مشکلات ہیں اور بڑے مدارس کی اپنی اپنی کہانیاں ہیں، کون کس کا گلہ کرے سبھی اپنی ساکھ اور شاخ کے چکر میں ہیں۔

پہلے ہم اپنے پروگراموں میں کفار اور کفار کے سرخیل کو دعوت دیتے تھے، بلاتے تھے، ان کی منافقانہ باتیں دینی پیرائے میں سنتے تھے، کہیں کوئی شری مان جی مدعو ہیں تو کہیں ڈبل شری براجمان ہیں، کسی کو اسلام کی کوئی خوبی پسند ہے اور کہیں کسی کو اسلام کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہی سب سے بزرگ و برتر نظر آرہی ہے یہ سچ ہے کہ وہ غلط نہیں کہہ رہے لیکن اس سے بھی زیادہ سچ یہ ہے کہ وہ اسلام کی طرف ایک انچ دل سے نہیں بڑھے، اتنے بڑے بڑے دینی پروگراموں میں اتنے بڑے بڑے مہنتوں، سادھوؤں، سنتوں اور پجاریوں کو بلایا جا چکا ہے اگر ان سب کی تقاریر یکجا کرلی جائیں تو کئی جلدیں تیار ہو جائیں لیکن کیا ان میں سے کوئی ایک اسلام کے دامن سے وابستہ ہوا ہے؟

ہم نے خود کو، اپنی تنظیم اور جماعت کو "سیکولر" کہلانے کے چکر میں انھیں اپنے گھر کا راستہ بتادیا ہے، ہم نے ان کی شرکت کو وقت کا تقاضا سمجھا ہے، وہ ہمارے ہی پروگراموں میں ہمارے ہی منہ پر چند تعریفی کلمات کہہ کر موٹے موٹے لفافے اور کرائے وصولتے رہے، اب جب وہ اپنے پروگراموں میں ہمیں بھی مدعو کرنے لگے تو ہم نے وہاں جانے اور شرکت کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کے مذہبی لوگوں کی تعریف کے پل باندھ دئے، کسی کو عظیم ہستی قرار دے دیا، کسی کو ان کے ہولی اور دیوالی میں خوبیاں نظر آئیں، کسی کو ان کے درمیان پہنچ کر اپنی کمیاں دکھائی دینے لگیں، کسی کو سانپ سونگھ گیا اور کسی نے ان کی مورتیوں کے سامنے ہاتھ جوڑ لئے، بعض نے ہون تک کیا، بعض کی روح کو سکون اور شانتی پہنچانے کے لئے پنڈتوں کو بلایا

گیا، کسی غیر مسلم کے مرنے پر قرآن کریم تک پڑھوا دیا گیا۔ گویا کفر اسلام کی طرف نہیں بڑھا اسلام کفر کی طرف بڑھتا نظر آیا، کفار اسلام کی طرف نہیں آئے مسلمان کفار کی طرف بھاگتے دکھائی دئے۔

ہم تاریخ کے وہ منحوس ترین اور منافق ترین انسان ہیں جن کا دل کچھ اور کہتا ہے اور زبان کچھ اور بولتی ہے، ہمارا قول کچھ ہے اور ہمارا فعل کچھ اور ہے، ہم اپنوں کے ساتھ معاملہ کچھ اور کرتے ہیں اور دوسروں کے ساتھ ہمارا رویہ کچھ اور ہے، ہم دین کو دین سمجھ کر مانتے تب تو بات تھی لیکن ہم دین کو وراثت سمجھنے لگے، ہم نے اسلام کو زندہ کرنے کی سنجیدہ کوششیں کب کیں ہمیں یاد نہیں لیکن ہمارے کردار اور گفتار سے دین ہر روز بلکہ ہر وقت مرتا ہے اور ہمیں احساس تک نہیں ہوتا۔ ہم لوگ جہاد کے نعروں میں آگئے اور سوچا تک نہیں کہ ہر ظالم و جابر ملک ، ہر ظالم و جابر قوم ہر شاطر لابی اور تنظیم کہتی کچھ ہے کرتی کچھ ہے، جال کہیں اور بچھاتی ہے اور شور کہیں اور مچاتی ہے، نعرہ کسی اور چیز کا لگتا ہے تو ہرکارہ کسی اور کا بجتا ہے، اشارہ کہیں ہوتا ہے نگاہیں کہیں اور ہوتی ہیں اور ہم احمق بن کر ان کی منصوبہ بندیوں کو نہ تو سمجھتے ہیں اور نہ ہی سمجھنے کی قوت اور سکت اپنے اندر پاتے ہیں۔

آج غیروں کے تمام جلسوں، جلوسوں، پروگراموں حتیٰ کہ مذہبی اجتماعات تک میں مسلمانوں کی شرکت کسی نہ کسی وجہ سے اتنی بڑھ چکی ہے کہ لگتا ہے پوری قوم تباہی اور بربادی کی

اس خندق اور کھائی پر جا کھڑی ہوئی ہے جس کے دونوں طرف کفر خوبصورت جال بچھائے ہوئے ہے۔

ہماری بچیاں مرتد ہو رہی ہیں اس میں بچیوں کا قصور کم والدین کا قصور زیادہ ہے بلکہ والدین کا قصور کم اور نوجوان لڑکے اور ان کے لالچی والدین کا قصور زیادہ ہے، لڑکے والے جہیز پر رال ٹپکا رہے ہیں اور لڑکیاں بغیر شادی کے بوڑھی ہوتی جا رہی ہیں۔

ایسی صورت میں غریب بچیوں کے والدین کیا کریں، نہ ان کے پاس اتنی دولت ہے کہ وہ حریص اور لالچی لڑکے اور اس کے والدین کی فرمائشیں پوری کر سکیں اور نہ ہی لڑکیوں کے پاس کوئی ایسا راستہ ہے کہ وہ بغیر بجہیز کے نکاح کر سکیں۔

دوسری طرف کفار کے ''تربیت یافتہ'' لڑکے مسلم محلوں میں مسلم لڑکوں اور لڑکیوں کے بھائیوں سے صرف اس وجہ سے یارانہ گانٹھ رہے ہیں تاکہ ان کو ''زینہ'' بنا کر اس کی بہن سے ''تعلق'' بنا سکے۔ مسجدیں نمازیوں سے ویران ہو رہی ہیں، مدرسے طلبہ سے محروم ہو رہے ہیں، والدین کا اپنی اولاد سے رشتہ کمزور پڑ رہا ہے، اولاد اپنے والدین سے دور ہوتی جا رہی ہے۔ جہاں تعلیم زیادہ ہے وہ ''لالچ'' زیادہ ہے، جہاں تعلیم نہیں ہے وہاں کا ماحول کفر زدہ ہے، دینی لوگوں کو دینی گھرانے نہیں ملتے، دنیاوی لوگ دینی گھرانوں سے دوریاں بنائے ہوئے ہیں۔

کسی بھی شادی کاسب سے اہم فریضہ ''نکاح''ہوتاہے ، بارات گھروں میں ہونے والے نکاحوں کی حالت اور درگت جو بنتی ہے اس کو لفظوں میں بیان کرنا مشکل ہے، پوراہال بھراہواہے لیکن مجلس نکاح میں بمشکل دس بیس لوگ ہی شریک ہوتے ہیں۔ تقریب پر کئی کئی لاکھ روپے خرچ کردئے جاتے ہیں اور نکاح خواں کو چند ہزار روپے نذرانہ یاحق المحنت دینے میں نانی یادآتی ہے۔

بسنت کااسلام اور مسلمانوں سے کوئی تعلق ہے نہیں لیکن بسنت پر قبضہ مسلمانوں کاہے۔رسم ورواج کا تعلق کسی بھی طرح اسلام سے نہیں ہے لیکن ہم دیوبندی ہونے کے باوجود رسم ورواج چھوڑنے پر تیار نہیں ہیں۔پردہ اسلام کااہم ترین شعار ہے لیکن بے پردگی میں ہماری حالت اتنی آگے بڑھ چکی ہے ہمیں کسی دن بے پردگی کاایوارڈ مل سکتاہے۔

کفار کے مذہبی اور غیر مذہبی تہواروں میں ہماری نمائندگی اتنی بڑھ چکی ہے کہ بہت سے مسلمان تواب چندہ بھی دینے لگے ہیں۔ کرسمس خالص عیسائیوں کا تہوار ہے لیکن اس میں سب سے زیادہ ملوث مسلمان ہیں۔

دسمبر کے آخری دن جو بے حیائیاں، جو برائیاں،جو زناکاریاں اور زیاں کاریاں ہوتی ہیں اس کو بیان کرنے کی بھی ہمارے قلم میں طاقت نہیں ہے،افسوس کہ اس میں بھی مسلمان کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔ غور کیجئے کیااسلام بڑھ رہاہے یاپسپا ہورہاہے؟

لال خط

ہمارے مفتی محب اللہ قاسمی بستوی بتاتے ہیں کہ کل ایک دعوت میں ایک بارات گھر میں جانا ہوا، وہاں پہنچ کر پتہ چلا کہ یہاں کوئی شادی وادی نہیں ہے بلکہ شادی کی تاریخ طے ہوتے وقت ''لال خط''پڑھنے کے لئے یہ محفل سجائی گئی ہے، مردوں، عورتوں، بچوں کا ایک ہجوم بارات گھر میں موجود تھا، طرح طرح کے خوان اور پکوان بالکل اس انداز میں سجے ہوئے تھے گویا ولیمہ کی تیاری ہے۔

دارالافتاء دارالعلوم دیوبند چیخ چیخ کر اعلان کرتا ہے:

''تاریخ کی منظوری کے لیے لال خط کی شکل میں بھیجنا یہ محض ایک رسم ہے، اسلام کسی رسم کو پسند نہیں کرتا، اسلام تو خود رسموں کو مٹانے کے لیے آیا ہے۔ ہم مسلمانوں کو رسموں سے بچنا چاہیے۔ جس شادی میں ویڈیو بنتی ہو یا فوٹو کشی ہوتی ہو، ایسی شادی میں شرکت کرنا مسلمان کے لیے درست نہیں''۔

سوچیں وہ کام جو صرف فون پر ہو سکتا ہے، وہ تاریخ جو طرفین ایک دومنٹ میں سادگی کے ساتھ طے کر سکتے ہیں، وہ عمل جس کی شرعاً کوئی نظیر ہی نہیں ہے اس کے لئے باقاعدہ بارات گھر کی بکنگ، بعام کا نظم، مردوزن کا ہجوم اور دنیا بھر کے تکلفات اور تزئین، دوسری طرف ہر شخص ٹسوے بہار رہا ہے کہ کاروبار صحیح نہیں ہے، مسجد والے مسجد کے لئے، مدرسہ والے مدرسے کے لئے، فقراء اور غرباء اپنے لئے کچھ فرمائش کردیں تو اتنے بہانے اور لیت ولعل کہ پناہ بخدا۔

پہلے بھی عرض کیا اور بار بار عرض کرتا ہوں کاروبار کی خرابی کا کوئی اثر ہماری تقریبات میں نظر نہیں آتا، البتہ مسجد میں صبح کچھ لوگ شب خوابی کے لباس میں ضرور دکھ جائیں گے، پرانے اور گندے کپڑوں میں ملبوس کچھ لوگوں کو آپ نے بھی اپنے قرب وجوار میں نماز پڑھتے ضرور دیکھا ہوگا، حالانکہ یہی صاحب اگر کبھی کسی تقریب میں دکھ جائیں تو آپ بالکل نہیں پہچان پائیں گے کہ یہ وہی میلے کچیلے اور گندے صاحب ہیں جو مسجد میں عموماً اس حال میں دکھائی دیتے ہیں کہ ان کے جسم سے عجیب وغریب بدبو محسوس ہوتی ہے، لوگ ان کے پاس کھڑے ہو کر نماز اس لئے نہیں پڑھ پاتے کہ ان کی وجہ سے نماز کا خشوع اور خضوع سب کچھ درہم برہم ہو جاتا ہے۔

اب تو شادی کارڈ میں ہی اتنے روپے خرچ کردئے جاتے ہیں کہ غریب انسان اپنی نورِ نظر کا عقد مسنون کر سکتا ہے، اب تو ہر چیز میں دکھاوا ہے، کچھ دن پہلے خبر ملی کہ شہر کے ایک

امیر اور بظاہر دیندار کہے جانے والے شخص نے مہنگے بارات گھر کے استقبالیہ گیٹ پر کچھ خوب رو، حسین اور نیم برہنہ دوشیزاؤں کو متعین کردیا ہے جو اپنی مسکراہٹوں اور دلفریب اداؤں سے آنے والے مہمانوں کا استقبال کریں گی۔

فلم سازی اتنی عام ہوچکی ہے کہ شریف انسان کو کھانا کھانا ہی مشکل ہوگیا ہے،آپ کتنا ہی سر کو جھکالیں کیمرے کی نظروں سے بچ نہیں سکتے،اب تو علمائے کرام کو بارات گھروں میں جاکر ''دعوت''کی ''عداوت'' مول لینے میں بھی تردد ہونے لگا ہے ۔کتنی ہی شرطیں لگائیں،کتنے ہی وعدے اورارادے کرالیں کتے کی دم کی طرح'' بارات گھروں کی اصلاح ''مشکل ہوچکی ہے ۔مرد اگر شرافت کا مظاہرہ کرتے بھی ہیں تو کوئی نہ کوئی پری پیکر دوشیزہ یاشتر بے مہار خاتون میک اپ سے لدی ہوئی مردانہ علاقہ میں آدھمکتی ہے ۔لوگ بھی اتنے دیوث اور بے شرم ہوچکے ہیں کہ اپنی باپردہ خاتون کو بارات گھروں میں سینکڑوں لوگوں کے سامنے بے پردہ گھومنے پھرنے پر کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔

شادیوں کی فلمیں جگہ جگہ بڑی بڑی اسکرینوں پر دکھائی جاتی ہیں،اسی میں وہ دلہن بھی بار بار کیمرہ مین کی ''بدمعاشی'' یا''شرارت'' یالوگوں کے '' مطالبے'' کے باعث دکھائی جاتی ہے جو اگرچہ زنان خانے میں ہے لیکن یہاں مردانے میں اس کو دنیا دیکھ رہی ہے۔

کس قدر افسوس کی بات ہے کہ وہ بچی جس کو کئی دن آپ نے ''مائیوں'' بٹھار کھا تھا، وہ بچی جس کے لئے آپ کے گھر کے دروازے پردے کی وجہ سے چوبیس گھنٹہ بند رہتے تھے، وہ بچی جس کے کپڑے بھی اندرون خانہ دھلے جاتے تھے کیا ہو گیا کہ آج شادی والے دن آپ کی نظر ہی نہیں نظریہ بھی بدل گیا؟ کیا ہوا کہ آپ کی دینداری کا جنازہ ہی نکل گیا؟۔

دار الافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کا فتویٰ ہے کہ

''مایوں بٹھانے'' کی رسم کی کوئی شرعی اصل نہیں، اس میں دلہن کو علیحدہ بٹھایا جاتا ہے اور کسی کو اس سے ملاقات کرنے کی بھی اجازت نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس کو ضروری سمجھنا اور محارِمِ شرعی تک سے پردہ کرادینا نہایت بے ہودہ بات ہے۔ اسی طرح لڑکی کو مہندی لگانا تو برائی نہیں، لیکن اس کے لیے تقریبات منعقد کرنا اور لوگوں کو دعوتیں دینا، جوان لڑکوں اور لڑکیوں کا شوخ رنگ اور بھڑکیلے لباس پہن کر بے محابا ایک دوسرے کے سامنے جانا بے شرمی و بے حیائی کا مرقع ہے۔ مہندی کی رسم جن لوازمات کے ساتھ ادا کی جاتی ہے، یہ بھی غیر شرعی رسم ہے، نیز ان رسموں میں کس قدر مال خرچ کیا جاتا ہے جب کہ قرآنِ کریم میں اسراف و تبذیر کی صراحۃً ممانعت وارد ہے''۔

لیکن اسی ملک میں مہندی کی رسم اتنے تزک واحتشام کے ساتھ منائی جاتی ہے کہ اللہ کی پناہ۔

گزشتہ دنوں ایک صاحب دعوت نامہ لے کر حاضر ہوئے ،نہایت ہی شاندار کارڈ تھا،کارڈ کئی خوبصورت لفافوں کے اندر محفوظ تھا،اس کے شاندار لفافے اور جاندار کارڈ کو دیکھ کر میں کہنے لگاماشاءاللہ آپ نے کارڈ کواتنے پردوں میں رکھا ہے توظاہر ہے کھانے پینے کے باب میں آپ کے یہاں پردے کا معقول نظم ہو گا، کہنے لگے جی بالکل ، میں نے کہاکہ مردوں اور عورتوں کے لئے داخلی گیٹ بھی الگ الگ ہوں گے بولے بالکل، میں نے کہاکہ عورتوں کو کھاناکھلانے کے لئے بھی عورتیں متعین ہوں گی؟ کہنے لگے اجی عورتوں کے بس کاکام نہیں ہے وہاں توسروس پر مرد ہی متعین ہوتے ہیں، میں نے کہاکہ مرد بھی ایسے جو نوجوان، پھرتیلے، بانکے، سجیلے اور خوبصورت لڑکے ہوں گے۔آپ لوگ شادی نہیں کرتے بربادی کرتے ہیں، عام دنوں میں کوئی آپ کے گھر میں بلااجازت گھس جائے تواس کو جیل ہو جائے گی اور شادی والے دن کوئی بھی آپ کی عورتوں کودیکھے کھلی اجازت ہے۔

دور حاضر کے بارات گھر ''فرار کے راستے''ہیں، نظاروں کے مراکزہیں، بدنظری اور بدنگاہی کے بازارہیں، عیاشوں اور بدمعاشوں کے لئے ''اڈے'' ہیں، کتنے ہی واقعات ''تانک جھانک'' کے بارات گھروں سے شروع کر''کورٹ میرج''پر ختم ہوتے ہیں، موبائل نمبروں کے تبادلے یہیں سے ہوتے ہیں،فرار کے تانے بانے یہیں بنے جاتے ہیں اور قرار تب ملتا ہے جب عزت دار والدین اور نیک نام خاندانی بزرگوں کی ''ناک کٹ''چکی ہوتی ہے۔

منافع کمانے اور لوٹنے میں فرق ہوتا ہے

پورے شہر میں موضوع بحث بناہوا تھا کہ یہ شخص منڈی سے جس ریٹ میں مال خریدتا ہے بازار میں اسی ریٹ میں فروخت بھی کردیتا ہے توپھر یہ شہر کا سب سے بڑا کاروباری اورتاجر کیسے ہے؟ یہ معمہ سمجھنے کا تھا نہ سمجھانے کا، پوچھنے پروہ بتاتا بھی نہیں تھا،ایسا بھی نہیں کہ ناپ تول میں کمی کرتا ہو۔

بلکہ ایسا بھی ہوتا کہ خریدار سے کہتا کہ خود ہی ترازو پر تول کر قیمت ادا کردے، دیگر تمام کاروباری حیران وپریشان تھے کہ آخر یہ ہو کیا رہا ہے، صرف شہر ہی نہیں بیرون شہر سے بھی کاروباری لوگ اس کے پاس آتے تھے اوراسی سے سامان لیتے تھے،شدہ شدہ یہ بات دور دور تک پھیلتی چلی گئی اور یہ صاحب مشہور ہوتے چلے گئے ،ایک دن ایک صاحب نے بڑی منت کرکے پوچھا کہ کچھ توبتایئے کہ آخرآپ کا کاروبار چلتا کیسے ہے؟

جب آپ ایک روپیہ بھی منافع کا نہیں لیتے توآپ شہر کے سب سے بڑے بیوپاری کیسے ہیں ؟تاجر نے ٹھنڈا سانس لیااور بولا کہ میں منڈی سے تمام آلو خرید لیتا ہوں ،اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ جوٹرک منڈی میں سامان اتارتے ہیں وہ وہاں کے بجائے یہاں اتار جاتے ہیں،اس کی

وجہ سے منڈی تک نقل و حمل کا پیسہ بچ گیا، دوسرے یہاں بڑی تعداد میں جو خریدار آتے ہیں میں ان سے بڑے پیار کے ساتھ کہتاہوں کہ خود ہی آلو تول لو تاکہ یقین رہے کہ میں نے ترازو میں کوئی گڑی بڑی نہیں کرر کھی ہے اس کا فائدہ یہ ہوتاہے کہ میں کئی نوکروں کے پیسے بچالیتاہوں، اور خریدار اپنے ہاتھوں جب سامان تولتاہے توزیادہ اور جھکتاہوا نہیں تولتاہے۔

تیسرے میں نے سبھی سے کہہ رکھاہے کہ بوریااور تھیلے آپ کو اپنے ہی لانے پڑیں گے جس کی وجہ سے کم از کم پانچ سو خالی بورے میرے پاس روزانہ جمع ہو جاتے ہیں، میں نے بورے خریدنے والوں سے کہہ رکھاہے کہ یکمشت بورے خریدنے کے لئے مجھ سے رابطہ کریں، ایک ہفتہ کے ادھار پر میں تمام بورے کسی ایک بیوپاری کو فروخت کردیتاہوں، بیوپاری جب بورے خریدنے آتاہے تو پچھلے ہفتے کی رقم دے جاتاہے اور اگلے ہفتہ تک قیمت اداکرنے کی شرط پر بورے لے جاتاہے۔

میری اس ترتیب سے میرا فائدہ ہی ہے کیونکہ مجھے ہر ہفتہ قیمت تو مل رہی ہے اور ایک ہفتہ کے پیشگی قرض کی وجہ سے وہ بیوپاری میرا مقروض ہے، قرضہ کی وجہ سے وہ کہیں اور مول بھاؤ نہیں کرے گااور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ سبھی کو پتہ ہے کہ میں نے بورے کا جو ریٹ لگارکھاہے اس ریٹ پر کوئی بھی بورے نہیں دے سکتا۔

سب کو بورے قیمت میں ملے ہوتے ہیں اور میرے بورے بالکل مفت میں ہوتے ہیں کیونکہ میں اپنے گراہکوں کو بورے نہیں دیتااور یہی میری بچت ہے ،اس طرح میں بوروں سے پانچ ہزارروپے یومیہ کمالیتاہوں۔پ

انچ ہزاروپے یومیہ کامطلب ہے ڈیڑھ لاکھ روپے ماہانہ اوراتنامیرے اکیلے کے لئے بہت ہے کیونکہ میرے بقیہ بچے دوسرے کاروبار میں مصروف ہیں۔میرے اس کام میں صبح کے چندہی گھنٹے صرف ہوتے ہیں بقیہ دن میں آرام کرتاہوں یااپنے بچوں کے ساتھ ان کے کاربار کی دیکھ ریکھ کرلیتاہوں۔

ہمیشہ یادرکھیں منافع کو منافع ہی رہنے دیں کبھی بھی اس کو جمع سے اوپرنہ پہنچنے دیں ،اس کافائدہ یہ ہوگاکہ لوگ آپ کونیک نامی کے ساتھ خودہی مشہور کرتے رہیں گے اورآپ ایمانداری کے ساتھ مشہور ہوتے جائیں گے۔

تجربہ یہ ہے کہ آپ اپنی زبان سے اپنی تجارت، ایمانداری اورمال کی عمدگی کاکتناہی ڈھنڈوراپیٹ لیں عوام یقین نہیں کریں گے لیکن اگرکسی غیرنے غیبوبت میں تعریف کے دوبول بول دئے توعوام سنجیدگی سے سنتے بھی ہیں اوریقین کرکے سامان لینے کے لئے پہنچتے بھی ہیں۔

ہر کمپنی اپنے پروڈکٹس کی تشہیر پر کل قیمت کا ساٹھ فیصد حصہ خرچ کردیتی ہے کیونکہ جب تک نیک نامی کے ساتھ شہرت اور تشہیر نہیں ہوگی کاروبار آگے نہیں بڑھ سکے گا، کاروبار کو آگے بڑھاتا ہے آپ کا اخلاق، آپ کی دیانت داری، ایمانداری، آپ کم کھائیں اور صحت مند رہیں، زیادہ کھائیں اور بیمار رہیں، یہ اصول زندگی کے ہر حصہ میں جاری رہنا چاہئے۔

میں نے اپنے بچپن میں اپنے گاؤں میں دیکھا کہ نیپال کی طرف سے کچھ عجیب وغریب قسم کے لوگ سردیوں کے بالکل شروع میں آتے تھے، ان کے پاس ایک کاپی ہوتی تھی، کاپی میں مختلف لوگوں کے نام ہوتے تھے، ناموں کے آگے رقمیں درج ہوتی تھیں، کسی کے نام کے آگے دس روپے تو کسی کے آگے بیس روپے۔

میں نے اپنی والدہ سے پوچھا کہ یہ دس بیس روپے کیوں لیتا ہے، کس چیز کے لیتا ہے ، والدہ نے بتایا کہ پارسال (پچھلے سال) یہ کسی کو ہینگ دے گیا، کسی کو سلاجیت دے گیا، کسی کو کوئی اور چیز دے گیا، دیہاتوں میں نقدی تو ہوتی نہیں ہے غلہ لے گا تو بوجھ ہو جائے گا، اس لئے یہ ایک سال کے لئے ادھار سامان دے جاتا ہے اور پھر دھیرے دھیرے اس کی روٹین بن جاتی ہے ، اب ہر شخص اس کو اس کے پچھلے روپے ادا کر دے گا اور جن کے پاس نقد روپے ہیں ان کو کچھ سستا اور جو ادھار لیں گے ان کو معمولی سا مہنگا سامان دے جائے گا۔

بعض ڈاکٹر دن میں سو، دوسو مریض دیکھتے ہیں اور بس، اس کا ایک نفسیاتی پہلو ہے وہ یہ کہ ہر مریض کی نظر میں ڈاکٹر کی اہمیت راسخ ہو گئی، مریضوں کا رجوع بھی بڑھے گا، دلچسپی بھی بڑھے گی اور پھر اس کی زندگی کا ایک معمول اور روٹین بن جائے گا۔

مجھے یاد آیا کہ ایک شخص تربوز بیچ رہا تھا، آواز لگا رہا تھا کہ "ایک تربوز تیس کا اور تین تربوز سو کے" ایک نوجوان نے سوچا کہ الگ الگ خریدلوں تو دس روپے بچ جائیں گے چنانچہ علاحدہ علاحدہ تین تربوز خرید لئے اور دس روپے بچا لئے، نوجوان نے خوشی خوشی دکاندار سے کہا کہ میں نے الگ الگ خرید کر دس روپے بچا لئے، آپ کا دس روپے کا نقصان ہو گیا، تاجر بولا کہ تین تربوز فروخت کرنے میں مجھے کافی وقت لگتا آپ کی اس حکمت سے میرے تین تربوز فوراً بک گئے، تمہارے دس روپے بچ گئے میرا وقت بچ گیا۔

اصل میں ہم لوگ وقت کو اور منافع کو ایک ساتھ لے کر نہیں چلتے، کبھی کبھی وقت منافع سے زیادہ قیمتی ہوا کرتا ہے، اور ہماری پوری توجہ منافع پر مرکوز رہتی ہے جس کی وجہ سے وقت ہمارے ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔

مجھ سے میرے ایک واقف کار دکاندار نے بتایا کہ میں سردی کا سامان سردی کے وسط تک فروخت کرکے فارغ ہو جاتا ہوں، جنوری میں ہی میں گرمیوں کا سامان منگوانا شروع کر دیتا ہوں، لوگ سردیوں کا سامان سردیوں کے شروع میں اور گرمیوں کا سامان گرمیوں کے

شروع میں عموماً خرید لیتے ہیں،اس لئے ہماری دکانوں میں اگر سردی یا گرمی کا سامان بچ گیا تواس کو رکھنے کے لئے جگہ کی ضرورت ہو گی۔

ہمارے یہاں جگہ کی اہمیت سامان سے بھی زیادہ ہے کیونکہ ہمیں ایک چھوٹی سی دکان کے لئے کئی بڑے گودام کرائے پر لینے پڑتے ہیں ،اگر سردیوں کا سامان بچ گیا تو جگہ گھر گئی ،پورے سال اس کی حفاظت الگ کرنی پڑے گی اور جیسے ہی اگلا سال شروع ہو گا تو پتہ چلے گا کہ مارکیٹ میں نئے ڈیزائن اور نئے انداز کا مال آچکا ہے اور پرانے ڈیزائن کو کوئی پوچھ ہی نہیں رہا ہے اس لئے ہم کبھی کبھی بلکہ اکثر خرید ریٹ پر ہی سامان نکال دیتے ہیں۔

یہ سب تجارت کے گر اور اصول ہیں ،زیادہ لالچی لوگ سستا سامان زیادہ قیمت میں ایک ہی دو بار فروخت کر سکتے ہیں کیونکہ خریدار بے وقوف نہیں ہوتے،وہ آپ کے لئے اشہاری ایجنٹ ہیں نیک نامی کے بھی اور بدنامی کے بھی۔

یہ آپ پر ہے کہ آپ نے اپنے ایجنٹ کو کس کام پر لگا دیا ہے ؟اچھائیاں بیان کرنے پر یا برائیاں بیان کرنے پر،ایک برائی خریدار کو زندگی بھر کے لئے دور کر دیتی ہے اور ایک اچھائی خریدار کو سینکڑوں خریدار لانے پر مجبور کر دیتی ہے۔

کہنا کہ رہوں کب تک میں دور مدینہ سے

مظاہرعلوم سہارنپور میں دوہزار کے آس پاس ایک طالب علم پڑھتا تھا نام تھا محمد قاسم، یہ نیپال کے روتہٹ کا رہنے والا تھا، محمد قاسم ہر ہفتہ پابندی کے ساتھ ایک مخصوص دن ریلوے اسٹیشن جاکر واپس آجاتا تھا،اس کی یہ عادت مدرسہ میں شہرت پاگئی،لوگ اتنی پابندی کے ساتھ اسٹیشن جانے کی وجہ معلوم کرتے لیکن محمد قاسم خاموش رہتا،میں نے بھی کئی بار کوشش کی تو کہنے لگا کہ

"اجی! میں اسٹیشن برونی ایکسپریس نامی ٹرین دیکھنے کے لئے جاتاہوں جو دوپہر بارہ چالیس پرامر تسر سے آکر سہارنپور پہنچتی ہے اور اگلی منزل برونی کے لئے روانہ ہو جاتی ہے، مجھے یہ ٹرین بہت پسند ہے کیونکہ یہ ٹرین میرے وطن کے بالکل قریب تک جاتی ہے"۔

تقریباً یہی حال میرا ابھی ہے جب بھی کوئی شخص حج یا عمرہ کرنے جاتا ہے تو میں اس کے ساتھ دور بہت دور تک جانا چاہتا ہوں، اس لئے نہیں کہ مجھے سفر پسند ہے۔۔۔اس لئے بھی نہیں کہ کھانے پینے کی نئی نئی چیزیں ملیں گی۔۔۔اس لئے بھی نہیں کہ جانے والے سے میرا کوئی اتنا قرب اور تعلق ہے کہ اس کی جدائی میں یہاں ماہئی بے آب رہوں گا۔۔۔یا۔۔۔اس کے دیدار کے لئے میری آنکھیں ترسیں گی۔۔۔اس لئے بھی نہیں کہ مجھے اڑتے طیارے، دندناتی کاریں ، چمچماتی سڑکیں اور رنگ برنگی دنیا سے کوئی پیار ہے، ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔

یاد ش بخیر سب سے پہلے غالباً ۱۹۹۷ء میں دہلی اندرا گاندھی انٹر نیشنل ائرپورٹ کو دیکھا تھا، ہوا یہ کہ حضرت مولانا محمد ریاض الحسن ندوی مظاہری حج کے لئے تشریف لے جارہے تھے ، میں ان کا ماتحت بھی تھا اور ان کی شفقتوں اور کرم فرمائیوں سے نہال اور مالامال بھی، مولانا کی فلائٹ وایا مسقط تھی، مولانا کے والد ماجد حضرت مولانا ابوالحسن مظاہریؒ بھی ائرپورٹ تک ساتھ تھے، جوں جوں ائرپورٹ سے قریب ہورہا تھا میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہورہی تھیں ، ہر اڑتے جہاز کو دیکھ کر میں رشک کرتا تھا کہ یہ جدہ جارہا ہوگا، اس زمانے کا ائرپورٹ آج جیسا بالکل نہیں تھا، بہت سادہ، چھوٹا سا، ایک یا دو گیٹ تھے۔

دونوں کے سامنے ایک ایک پولیس افسر تعینات تھا، نہ آج کل جیسی سختی تھی، نہ بھیڑ بھاڑ، مولانا اندر چلے گئے، میں قریب میں موجود زینوں سے اتر کر تاروں سے بنی دیوار کے

قریب پہنچ گیا جہاں سے ہوائی جہاز نہایت ہی قریب دکھائی دے رہا تھا، ایک تو جہاز ہی اتنے قریب سے پہلی بار دیکھا تھا دوسرے اتنا بڑا جہاز، کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔

مولانا کا جہاز جوں جوں رینگ رہا تھا میرے دل کی دھڑکنیں تیز تر ہو رہی تھیں کہ کیا نصیب پایا ہے مولانا نے، ابھی بھارت میں ہیں اور کچھ ہی گھنٹوں میں اس پاک و پاکیزہ سرزمین میں اتریں گے جس کے چپہ چپہ سے اسلامی تاریخ وابستہ ہے، جہاں قدم قدم پر صحابہ کے نقوش موجود ہیں، جہاں ارض مقدس ہے، جہاں روضۃ من ریاض الجنۃ ہے، جہاں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما ہیں، جہاں مسجد حرام اور خانہ کعبہ ہے، جہاں مسجد نبوی اور روضۂ اطہر ہے، جہاں چاروں طرف یمن و سعادت ہے، جہاں ہر شخص بانصیب ہے کہ اس کو ارض مقدس نصیب ہے۔ ہائے ہائے کیسے کیسے نصیبہ والے ہیں جو چند گھنٹوں میں دارالکفر سے دارالاسلام میں ہوں گے، جہاں ہر طرف اللہ کے پاک نام کے ترانے ہوں گے، جہاں کوئی کفر نہ ہوگا، نہ کوئی شرک نہ ہوگا، جہاں ہر زبان اللہ کے ذکر سے اور ہر دماغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فکر سے تروتازہ ہوگا، جہاں ایک نماز کا ثواب لاکھ نمازوں اور پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہوگا۔

مولانا ریاض الحسن ندوی ویسے بھی خوش نصیب ہیں، ان کا گھر اور گھرانہ علم اور صاحبان علم سے جگمگ ہے، ان کی تعلیم جامع الہدیٰ مرادآباد، مظاہر علوم سہارنپور اور ندوۃ العلماء لکھنؤ میں مکمل ہوئی، انہوں نے جامعہ گلزار حسینیہ اجراڑہ اور مظاہر علوم میں تعلیم دی، انہوں نے آئینۂ مظاہر علوم کی ادارت کے فرائض انجام دئے، انہوں نے بے شمار دینی،

رفاہی، دعوتی اور ادارتی خدمات انجام دیں، ان کی سعادتوں کا ستارہ توبلندی پر تھاہی آج ان کا طیارہ مثل سیارہ آسمان کی وسعتوں میں محوپرواز ہو چکا ہے۔

ان کا آنے والا ہر منٹ سعادتوں کی طرف اور ہمارا ایک ایک منٹ اپنی محرومیوں اور حرماں نصیبیوں کی طرف، وہ اندھیرے سے اجالے کی طرف اور میں اسی کفرستان میں، اسی کفریہ اور شرکیہ ماحول میں، ان کو ایک عرصہ تک گانے بجانے سنائی نہیں دیں گے، ایک عرصہ تک ان کے کان میں توحید ورسالت کی صدائیں گونجتی رہیں گی، ایک عرصہ تک ان کے قدم اُن پاک قدموں کے نشانوں پر پڑتے رہیں گے جن کی آوازیں کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں سنی تھیں۔ وہ دن ہے اور آج کا دن ہے یقین جانیں کتنے ہی لوگوں کو ائرپورٹ تک پہنچانے جاچکا ہوں، کتنے ہی خوش نصیبوں سے درخواست کرچکا ہوں کہ جب کعبۃ اللہ کا دیدار ہو تو میری حاضری کی دعا بھی کر دینا، جب بطحا پہنچیں تو سرکار عالی میں اس حقیر فقیر کا سلام بھی عرض کر دیں۔

جب اماں عائشہ کے مزار پر پہنچنا تو کہنا کہ تمہارا ایک گنہگار بچہ تمہارے قدموں میں اپنا سر رکھ کر اپنی سعادتوں کو پالینا چاہتا ہے، جب شیخین جلیلین کے روبہ رو ہونا تو میرا سلام بھی کہنا اور میرا پیام بھی کہنا اور کہنا کہ آپ کا ایک متبع اور مقتدی آپ کی جالیوں کو چھونا اور چھو کر یقین کر لینا چاہتا ہے کہ وہ ریاض الجنہ کے نہایت قریب ہے، جب صفہ نامی چبوترے پر بیٹھنا تو تھوڑی سی خالی جگہ کے بارے میں کم از کم خیال کر لینا کہ کاش ناصر ساتھ ہوتا تو یہاں بیٹھا ہوتا۔

مجھے مکہ مکرمہ کے بازاروں اور مدینہ منورہ کی مارکیٹوں سے کوئی محبت نہیں ہے مجھے تو بس حطیم و مطاف سے، مقام ابراہیم اور مسعی سے، مسجد حرام اور رکن یمانی، حجراسود اور صفا و مروہ سے، جنت البقیع اور جنت المعلیٰ سے، مسجد نبوی کے چپہ چپہ سے، بدرو حنین سے، تبوک ویرموک سے، احداور بوقبیس سے بلکہ ہر اس ذرے سے عشق ہے جہاں ہمارے آقااورآقا کے غلاموں کے قدم پڑے ہیں، میں چاہتاہوں کہ مجھے ان میں سے کسی بھی جگہ اکیلا چھوڑدیاجائے تاکہ جی بھر کر رولوں۔

واللہ! سچ کہتاہوں میں اپنے آپ کو بلال کے کھڑاؤں سے، صہیب کے میری خواہشات بھی عجیب ہیں میں **بم سبقتنتی الی الجنة البارحة** والے بلال حبشیؓ سے، **ومن الناس من یشری نفسه** والے صہیبؓ سے، **سلمان منا اہل البیت** والے سلمان فارسیؓ سے، اس لئے محبت کرتاہوں کہ واہ رے آپ کا عشق، واہ رے آپ کی محبت، قربان جاؤں بلال حبشیؓ کے عشق پر، مر مٹوں صہیب رومیؓ کے سوز پر، جان دیدوں سلمان فارسیؓ کے ساز پر، واللہ یہ دبے کچلے، غلام ابن غلام کہاں تھے اور کہاں پہنچ گئے۔

تیری معراج کہ تو عرش و قلم تک پہنچا

میری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہنچا

دہلی میں قبریں، قبروں میں دہلی

دہلی والے بھی عجیب دل گردے والے ہیں، جو دل گردہ دہلی والوں کا دیکھا ہے کہیں اور نہیں دکھا، آپ خود سوچیں، قبرستان میں کون رہتا ہے یا کون رہنا چاہتا ہے لیکن دہلی والوں کو دیکھیں تو بڑی تعداد قبروں کے درمیان ہی رہتی ہے بلکہ پرانی دہلی والوں کو باقی دہلی میں بھی کوئی کشش نہیں محسوس ہوتی ہے، انھیں نئی دہلی کی کشادہ شاہراہوں، زرق برق گلیوں، رنگ برنگ وادیوں، خوبصورت و خوشنما ہریالیوں اور بے مثال برج وپلوں اور دیدہ زیب سجاوٹوں میں وہ سکون نہیں ملتا ہے جو قبرستان مہندیان، کوچہ چیلان، چٹلی قبر، مقبرہ رضیہ سلطانہ، مقبرہ ادھم خان، مقبرہ افسر والا، مقبرہ بلبن، مقبرہ ابراہیم لودھی، مقبرہ عیسیٰ خان، مقبرہ صفدر جنگ، مقبرہ ہمایوں، مقبرہ غالب، مقبرہ نصیر الدین چراغ، مقبرہ ذوق، مقبرہ ابوالکلام آزادؒ، مقبرہ مولانا شوکت علیؒ، مقبرہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ وغیرہ میں میں ملتا ہے۔

اگر رضا علی عابدی جیسا کوئی جناتی انسان چاہے تو صرف دہلی کے مقبروں، مزاروں، قبرستانوں پر ہی پوری کتاب لکھ سکتا ہے۔ یہاں کے آثار قدیمہ پر عوام تو عوام خواص بھی خوب ہاتھ صاف کرتے رہے ہیں بلکہ خواص الخواص، سر براہان مملکت، وزراء، امراء، روساء

، بلکہ حکومتیں بھی اس بہتی گنگا میں خوب ہاتھ دھوتی رہی ہیں، بے شمار قبضوں کی آوازیں کورٹ تک پہنچ گئیں تو بہت سے نزاعات کو آپسی تال میل سے ختم اور جائداد کو ہضم کرلیا گیا، بہت سے مقبرے مکانوں میں تبدیل ہوگئے تو بعض کے بارے میں اطلاعات ہیں کہ مندروں میں تبدیل کردیا گیا، کچھ کو وقف بورڈ کے ذمہ داران نے تو کچھ کو ان کے "اوپر والوں" نے "اوپر ہی اوپر" سے کام تمام کرلیا، بے شمار اوقاف تباہی کے کنارے پر پہنچ گئے، لاتعداد اوقاف کا نام اور نشان بھی مٹ گیا، بھارت میں سب سے زیادہ اوقاف دہلی میں ہیں اور یہاں کی زمینیں گزوں اور فٹوں میں نہیں انچوں اور ایم ایم میں فروخت ہوتی ہیں۔

مقام شکر ہے کہ وکی پیڈیا نے محکمہ اوقاف سے زیادہ تحریری طور پر ہی سہی ان کو محفوظ کردیا ہے چنانچہ الفاظ اور تعبیرات کی تبدیلیوں کے ساتھ وکی پیڈیا کی مدد سے چند تاریخی باتیں آنحضور کے حضور حاضر کرتا ہوں:

ابراہیم لودھی کا مقبرہ (چمک دار گنبد) اس کو شیش گنبد بھی کہا جاتا ہے، لودھی خاندان کا ایک مقبرہ ہے تقریباً 1489 اور 1517 عیسوی کے درمیان تعمیر کیا گیا تھا۔ شیش گنبد (شیشے کے گنبد) میں قبریں ہیں، جن کے مکینوں کی غیر واضح طور پر شناخت نہیں کی جاسکتی۔ مورخین کا خیال ہے کہ یہ ڈھانچہ یا تو کسی نامعلوم خاندان کے لیے وقف کیا گیا ہوگا، جو لودھی خاندان اور سکندر لودھی کے دربار یا بہلول لودھی (وفات 12 جولائی 1489) خود، جو افغان

لودھی قبیلے کا سردار تھا، دہلی سلطنت کے لودھی خاندان کا بانی اور سلطان تھا۔ شیش گنبد دہلی کے باغ لودھی میں واقع ہے اور یہ علاقہ خیر پور کے نام سے جانا جاتا تھا۔

ادھم خان کا مزار، افسر والا مقبرہ، بلبن کا مقبرہ (لال بنگلہ، ہندوستان میں واقع دو شاہی مغل مقبرے ہیں، جو ہندوستان کے آثار قدیمہ کے سروے کے تحت یادگاریں ہیں)۔

مزار صفدر جنگ یہ مغل وزیر صفدر جنگ کا مزار ہے، اس مزار کو مغل تعمیرات کا آخری چراغ کہا جاتا ہے۔

مقبرہ عیسیٰ خان:

شیر شاہ سوری کے دربار کے پٹھان عہدے دار امیر عیسی خان نیازی کا مقبرہ بھارت کے شہر دہلی میں مغل تاجدار ہمایوں کے مقبرے کے احاطے میں واقع ہے۔ مزار کی سرخ ریتلے پتھر کی ہشت پہلو عمارت شیر شاہ سوری کے عہد میں 1547-1548 کے دوران تعمیر کی گئی تھی۔ مسجد عیسی خان مزار کی مغربی سمت یونیسکو کی جانب سے بین الاقوامی ثقافتی ورثہ قرار دیئے گئے ہمایوں کے مزار اور اس کے احاطے میں موجود دیگر عمارتوں کے ساتھ واقع ہے۔ عیسی خان کے مقبرے کا طرز تعمیر لودھی معماری کا نمونہ ہے۔ مقبرے کی عمارت پست چبوترے پر ہشت پہلو ہے جو لودھی طرز تعمیر کا طرہ امتیاز تھا۔ مرکزی عمارت کے اطراف ایک برآمدہ ہے اور ہر پہلو پر تین محرابیں ہیں جن کے اوپر چھجے بنے ہیں۔ اس مقبرے کا طرز تعمیر مبارک شاہ، محمد شاہ،

خانِ جہاں تلنگانی اور سکندر لودھی کے مقابر جیسا ہے۔ آغا خان ٹرسٹ برائے ثقافت نے 2011 سے 2015 تک آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا کے ساتھ مل کر اس مقبرے کی تعمیر نو اور بحالی کا کام کیا تھا۔

مسجد عیسی خان کا مرکزی گنبد ستونوں پر اٹھایا ہے اس کی شکل خیمہ جیسی ہے۔ مسجد کا مرکزی دالان تین حصوں میں منقسم ہے۔ مسجد کا مرکزی دالان سرخ ریتلے پتھر سے بنایا گیا ہے جبکہ اطرافی دالانوں میں بھورے رنگ کا پتھر استعمال کیا گیا ہے۔

مقبرہ ہمایوں:

مغل بادشاہ نصیر الدین محمد ہمایوں کا مقبرہ ہے جو اس کی بیوی حمیدہ بانو بیگم نے 1562ء میں بنوایا۔ یہ مقبرہ لال پتھر سے بنا ہوا ہے۔ اس کے احاطے میں دوسری شخصیات کے بھی مقبرے موجود ہیں۔ یونیسکو کے عالمی ثقافتی ورثے کی فہرست میں اس کا اندراج ہوا ہے۔ اس طرح کے طرزِ تعمیر کا نمونہ ہندوستان میں اوّلین ہے۔

اس میں ہندوستانی اور ایرانی طرزِ تعمیر کا امتزاج پایا جاتا ہے۔ یہاں مقبرہ ہمایوں کے علاوہ دوسرے مقبرے اور مسجد بھی ہیں۔ اس لیے ’’مغلوں کی بستر گاہ‘‘ کے نام سے بھی یہ یادگار جانی جاتی ہے۔ مقبرہ عیسیٰ خاں، مقبرہ بو حلیمہ، افسر والا مقبرہ، نائی کا مقبرہ وغیرہ مقبرے ہمایوں کے احاطے میں ہی موجود ہیں۔

مقبرہ شیخ نظام الدین اولیا:

نظام الدین درگاہ صوفی بزرگ خواجہ نظام الدین اولیاء(1238-1325 عیسوی) کی درگاہ (مزار) ہے۔ دہلی کے نظام الدین علاقے میں واقع اس درگاہ کی زیارت کرنے ہر ہفتے ہزاروں زائرین آتے ہیں۔ حضرت نظام الدین اولیاء کی درگاہ چونسٹھ کھمبے کے قریب واقع ہے۔ یہ یادگار عمارت نظام الدین مذہبی احاطے کا حصہ ہے اور اس کو اب میراث قرار دیا گیا ہے۔چونسٹھ کھمبے کے ساتھ دوسری دو میراثی یادگاریں متصل ہیں۔ وہ یہ ہیں۔(۱) عرس محل(۲)مزارِ غالب۔ عرس محل چونسٹھ کھمبے کے سامنے واقع ایک ایوان ہے جہاں جشن اور عرسِ نظام الدین اولیا کے مواقع پر قوالی کے پروگرام منعقد ہوتے ہیں۔جب کہ مزارِ غالب اردو شاعر مرزااسداللہ خان غالب کا مقبرہ ہے اور ہنوز محفوظ قومی ورثہ ہے۔رضیہ سلطانہ مرحومہ کی قبر سے کچھ آگے ایک مستقل محلہ ہی ہے جس کو قبرستان سے جانا جاتا ہے،ہر رکشہ والا اس سے واقف ہے،آپ پرانی دہلی کے کسی بھی رکشہ والے سے کہہ دیں کہ محلہ قبرستان چلنا ہے،وہ آپ کو لے کر چل پڑے گا اور ایک ایسے محلے میں پہنچادے گا جہاں زمین کے اوپر زندہ اور زمین کے نیچے مردہ لوگ رہتے ہیں۔یہاں آپ کو گھر گھر میں قبریں،ہر گھر میں قبریں،دائیں بائیں اور نیچے قبریں مل جائیں گی۔

دہلی کے یہ مقبرے ہمیں ایک طرف تو یہ سبق دیتے ہیں کہ چاہے جتنا جی لو ایک دن مرنا ہے، فلک بوس گنبد و مینار اس بات کی یقین دہانی کراتے ہیں کہ جب اتنے بڑے امراء اور

بادشاہان مملکت نہیں رہے تو تم کیا رہو گے، یہ مقبرے تازیانۂ عبرت، باعث موعظت، سرمۂ چشم بصیرت اور یاددہانی کے لئے کافی ہیں کہ کہاں اپنی ناک پر بیٹھی مکھی کو ہٹانے اور اڑانے کے لئے خادمائیں متعین تھیں اور کہاں آج بے یار و مددکار بے کسی و بے بسی کی تصویر بنے اپنی جائدادوں کو حسرتوں کے ساتھ دوسروں کے تصرف میں دیکھ رہے ہیں۔

یہ لوگ جو ان مزاروں میں سو رہے ہیں ایک زمانے میں ان کا طوطی بولتا تھا، ان کے اشارے پر جنگیں ہوتی تھیں، سردھڑ کی بازیاں لگتی تھیں، آقا اور غلام کی جنگ میں جیت ہمیشہ آقا کی ہوتی تھی، انھیں معلوم نہیں تھا کہ دنیا میں آقا بنے پھرنے والے لوگ بھی اور دنیا میں غلامی کا قلادہ اپنی گردنوں میں، اور محکومی کا پٹہ اپنی کمر میں ڈالنے والے لوگ بھی قبر میں یکساں ہیں۔

سبھی کو قبر میں جانا ہے، سبھی کو اپنے کئے کا جواب دینا ہے، ظالموں کو ظلم کا حساب دینا ہوگا، مظلوموں کو اپنی مظلومیت کا صلہ مل کر رہے گا، وہاں سبھی کی آقائیت ختم ہو جائے گی، صرف ایک احکم الحاکمین کی حکومت ہو گی۔ لمن الملک الیوم کا اعلان ہو گا اور دنیا کے بڑے بڑے امیروں، وزیروں اور وڈیروں کی گردنیں احساس جرم کی وجہ سے خم ہوں گی۔

سبھی کو ایک دن اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے، وہ زیر کو پسند کرتا ہے زبر کو نہیں، اپنی پیشی سے پہلے پیش ہونے کی تیاری کر لینے والے لوگ ہی فائدے میں رہیں گے۔ **والعصر ان الانسان لفی خسر، الا الذین آمنوا وعملوا الصالحات۔**

حصار میں کب تک محصور رہیں گے

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا ارشاد ہے:

"مجھ کو ایسی پارٹی بندی پسند نہیں کہ ایک ہی خیال اور ایک ہی مشرب کے ہو کر نسبتوں سے فرق ظاہر کریں، جیسے ایک صاحب نے اپنے نام کے ساتھ "اشرفی" لکھا تھا، بلا ضرورت ایسی نسبتیں متضمن مفاسد ہیں، ایک صاحب نے عرض کیا کہ چشتی، قادری، نقشبندی، سہروردی، یہ بھی تو ایک نسبت ہے، فرمایا کہ وہاں تو اپنے مسلک اور مشرب کو اہل بدعت کے مسلک سے ممتاز کرنا ہے اور یہاں جب ایک ہی مسلک اور مشرب ہے تو وہ مقصود نہیں ہو سکتا"۔[7]

سچ کہتا ہوں اور سچ کہنا ہی چاہئے، سچ سنتا ہوں اور سچ سننا ہی چاہئے، حق بولتا ہوں اور حق بولنا ہی چاہئے۔۔۔ جس طرح سچ بولنے کی فضیلت ہے اسی طرح سچ سننا بھی بے شمار فوائد اور برکات کا حامل ہے۔۔۔ ہماری اس دنیا میں جس میں ہم سانسیں لے رہے ہیں آپ نے بہت

(7) ملفوظات حکیم الامت، جلد نمبر: ۵، صفحہ نمبر: ۳۸، ۳۹

سے صاحبان جبہ ودستار کو دیکھا ہوگا جو یہ کہتے نہیں تھکتے کہ میں حق گو ہوں، حق بیانی میری صفت ہے، سچائی میری خو اور صداقت بیانی میرا طغرائے امتیاز ہے۔۔۔ لیکن ان ہی صاحبان عباو قبا سے آپ کوئی بھی "سچی منفی بات" کہہ کر دیکھ لیں جس کا تعلق ان کی ذات سے ہو، ان کے اجداد سے ہو، ان کے خاندان یا قبیلہ سے ہو تو پھر آپ کے لئے ان کے دروازے بند ہو جائیں گے، آپ کا نام وہ صاحب اپنے موبائل کی لسٹ سے خارج کردیں گے، اپنی مجلسوں میں آپ کا نام لینا تو درکنار سننا بھی گوارا نہیں کریں گے۔

آج ہر شخص "خوبیاں" سننا چاہتا ہے، جس میں ایران توران کی لن ترانیاں ہوں، آباء واجداد کے قصے اور ان سے منسوب "دیومالائی" کہانیاں ہوں، بے پر کی باتیں اور حکایتیں ہوں، یہاں وہاں کے قصے ہوں، خوابات اور منامات ہوں، من گھڑت اور سچ آمیز جھوٹ کا پشتارہ ہو بس یہی چیزیں "محمود" ہو کر رہ گئی ہیں، اگر ان "محمودات" سے آگے بڑھے تو پر پرواز متأثر کر دی جائے گی، زبان کاٹ دی جائے گی، قلم توڑ دیا جائے گا، پیروں میں بیڑیاں اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دی جائیں گی۔

آپ اپنے حصار میں خواہی نخواہی "محصور" رہئے اور خود کو محفوظ سمجھنے کی ایکٹنگ کیجئے، زیادہ سوشل، زیادہ لبرل اور زیادہ آزادیٔ فکر و نظر کا اظہار بھی آپ کے لئے زہر قاتل بلکہ زہر ہلاہل ہے۔

آپ اپنے گھر کی حدود سے نکلیں گے نہیں، کسی کو اپنے گھر اور در پر آنے نہیں دیں گے ، کسی سے فیض اٹھائیں گے نہیں اور دوسروں کو اپنی ذات سے فائدہ پہنچائیں گے نہیں، کوئی بافیض ہستی آپ کو بھاتی نہیں اور کوئی بے فیض بندہ آپ کو بھاتا نہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آپ کی شبیہ اپنے ہی ماحول میں محدود سے محدود ہو کر رہ جاتی ہے۔ کبھی نہیں دیکھا کہ میٹھے پانی کا چشمہ ہو اور وہاں مرغ ومور، مسافر و جانور نہ پہنچتے ہوں۔۔۔ کبھی نہیں دیکھا کہ چشمہ آب شیریں کے قرب وجوار میں ہریالی نہ ہو، سبزہ زار نہ ہو، مرغ زار نہ ہو، پرندے نہ چہچہاتے ہوں، چرندے نہ آتے ہوں، درندے اپنی پیاس نہ بجھاتے ہوں، یعنی بس ایک چشمۂ شیریں ہے اور وہاں ہر قسم کے جانور، ہر طرح کے لوگ اور سب طرح کی ہریالیاں دیکھی جاتی ہیں۔

ایک ہم ہیں، ہم نے اپنی سطحی اور دقیانوسی سوچ کے باعث چشمۂ صافی کے دروازے بند کر دئے، ہم نے اپنی صلاحیتوں سے دوسروں کو فائدہ پہنچانے کی سوچ پر تالے لگا دئے۔ ہم نے اپنے گھر کو "محل" سمجھنے کی غلطی کی حالانکہ ہمارا گھر عارضی ہے، ہماری دولت عارضی ہے، ہماری زندگی کی ہر ساعت عارضی ہے، ہم ایک کرائے کے مکان کو اپنا مکان سمجھ بیٹھے، ہم ایک عارضی زندگی کو "حقیقی" زندگی سمجھ بیٹھے۔

انبیائے کرام زبان نبوت سے چیخ چیخ کر اعلان کرتے رہے کہ یہ دنیا مردار ہے اور اس کے طالب کتے ہیں، قرآن کریم بار بار اعلان کرتا رہا کہ وقت سے پہلے سمجھ جاؤ ورنہ جب وقت سمجھائے گا تو کف افسوس ملنے کی بھی مہلت نہیں ملے گی، اولیائے عظام اپنے کردار سے بتاتے

رہے کہ یہاں جو کچھ دِکھتا ہے وہ حقیقت نہیں ہے، ہر چیز کی ایک اصلیت ہے، ہر بات کی ایک حقیقت ہے، ہر تصویر کے پیچھے ایک تصویر ہے، ہر پردے کی اوٹ میں ایک اور سچائی ہے۔

ہم نے ظاہر کو باطن سمجھ لیا اور باطن سے نظریں میچ لیں تو پھر ہم نے اپنی ہر ناکامی کا ٹھیکرا دوسروں پر پھوڑنا شروع کر دیا، امتحان میں فیل ہم ہوئے اور قصور استاذ اور ممتحن کا، کاروبار میں خسارہ ہمارا ہوا اور غلطی دوسروں کی، چلنے میں قصور ہم نے کیا اور سزا دوسرے نے جھیلی، دیوار پر شیرہ ہم نے لگایا اور قتل و قتال دوسروں میں ہو گیا۔ گویا فتنے کی شروعات ہم سے ہوئی اور نتیجہ میں ہزاروں بے قصوروں کو سزائیں مل گئیں۔

آخر کب تک لمحے غلطیاں کرتے رہیں گے اور کب تک صدیاں اس کی سزائیں بھگتتی رہیں گی؟

کب تک دوسروں کے کندھے استعمال ہوں گے؟

کب تک دوسروں کو بلی کا بکرا بنایا جائے گا؟

کب تک "چاپلوسانہ" خول میں پھنس کو لاحول پڑھتے رہیں گے؟۔

ہم ہمیشہ شیطان پر لاحول پڑھتے ہیں کبھی خود پر بھی پڑھ کر دیکھنا چاہئے کہیں ایسا تو نہیں کہ شیطان خاموش بیٹھا مسکرا رہا ہو اور ہم اس کے نامکمل کاموں کو انجام دے رہے ہوں؟

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کوایسی پارٹی پسند نہیں تھی جس میں ایک ہی خیال، ایک ہی فکر، ایک ہی مسلک اور ایک ہی مشرب کی نسبت ہو، حضرت تھانویؒ کو یہ بھی پسند نہیں کہ کوئی اپنے آپ کواشرفی لکھے، سورج اپنی روشنی بکھیرنے میں امتیاز نہیں کرتا، چانداپنے نور سے سبھی کومنور کرتاہے، بارش اپنی برسات سے سبھی کوفائدہ پہنچاتی ہے، ہوا اپنے فیض سے کسی کو محروم نہیں کرتی اور ہماراحال یہ ہے کہ اگر ہمیں دوحرف معلوم ہوگئے تو صرف اپنوں کو فائدہ پہنچائیں گے، اپنے شاگردوں سے محبت کریں گے، اپنی نسبت کے لوگوں کو بلائیں گے، اپنے مسلک، اپنے مشرب اور اپنے خاندانی بزرگوں کے علاوہ کسی کو بھی خاطر میں نہیں لائیں گے۔

ہم وہ "عظیم شکاری" ہیں جو قرآن کریم اور حدیث شریف کو چھوڑ کر اپنے تایاابا، اپنے ناناابا، اپنے چچااور دیگر خاندانی بزرگوں کے "اقوال زریں" نقل کریں گے تاکہ مخاطب کے فکر و نظر کو اپنی چرب زبانی اور مگر مچھی آنسوؤں اور بناوٹی لہجوں سے متأثر کرسکیں۔ جس طرح شکاری کے پاس طرح طرح کے جال ہوتے ہیں، قسم قسم کے کیل کانٹے ہوتے ہیں، رنگارنگ چارے ہوتے ہیں، دھوکہ اور فریب دینے والی اشیاء ہوتی ہیں بالکل اسی طرح ہم ایک شکاری کا کردارادا کررہے ہیں، ہمیں بوبکر و عمر نہیں اپنے تایااور دادایاد رہ گئے، جنید و شبلی نہیں اپنے والد اور نانا یاد رہ گئے، اپنا مسلک اور مشرب نہیں اپنا مفاد اور مقصد یاد رہ گیا، ہم جو قصہ بیان کرتے ہیں اس کاایک مقصد ہوتاہے، جو واقعہ سناتے ہیں اس کاایک پیش منظر ہوتاہے، جو بات کرتے ہیں اس کاایک بیک گراؤنڈ ہوتاہے، ہماری ہر بات "بامقصد" ہوتی ہے اور مقصد میں کامیاب ہونے

کے لئے ہم ریڈ کراس کو بھی ''کراس'' کر سکتے ہیں، ملت کا جنازہ نکلے، امت کی بدنامی ہووے، شریعت کی بیخ کنی ہو، طریقت کی رسوائی ہو، اداروں کی خفت ہو ہمیں کسی سے مطلب نہیں۔

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام

کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں رہے

یہ مفاد پرستی کب تک غالب رہے گی؟

محدود اور گھٹیا سوچ کے حصار سے ہم کب نکلیں گے؟

کب ہمارے اندر توسع پیدا ہو گا؟

کب ہم اپنے پیر و مرشد کی طرح دوسروں کے پیر و مرشد کی تعظیم کریں گے؟

کب ہم عزت دینا شروع کریں گے؟

کب دوسروں کی پگڑیاں اچھالنے سے باز آئیں گے؟

کب انگشت نمائی سے توبہ کی توفیق ملے گی؟

کب غیبت اور حسد سے بچنے کی کوشش کریں گے؟۔

دامن کو ذرا دیکھ۔۔۔

علم:

اگرآپ صاحب علم ہیں تواس کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ آپ خود کو تمام لوگوں سے برتر سمجھنے لگیں بلکہ علم کی دولت سے مالامال ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کے اندر تواضع پیدا ہو جائے، تعلیم کا اثرآپ کی ذات اور بات سے ظاہر ہو،اپنے سے کم پڑھے لکھے لوگوں یاان پڑھ افراد واشخاص کو اگرآپ نے اپنے سے کمتر اور کہتر سمجھنے کی غلطی کی تو یاد رکھیں اسی دنیا میں آپ سے بھی زیادہ اعلیٰ دماغ اور اعلیٰ تعلیم سے لیس لاکھوں لوگ بے کار گھوم رہے ہیں۔

خود کو ممتاز بنانے کی دلی خواہش میں

دشمن جاں سے ملی میری اناسازش میں

عبادت:

اگرآپ کو عبادت کی توفیق مل جاتی ہے تواس میں آپ کا کوئی کمال نہیں ہے بلکہ یہ تو صرف اس ذات کا کرم ہے جس نے آپ کو اپنی عبادت کے لئے قبول کیا ہوا ہے ورنہ آپ ہی کے گھر اور گھرانے میں، آپ ہی کے محل اور محلہ میں، آپ کے شہر اور قریہ میں کتنے ہی لوگ ایسے نظر آجائیں گے جن کے پاس کوئی عذر نہیں ہے، کوئی وجہ نہیں ہے، کوئی شغل اور مصروفیت نہیں ہے، کوئی موانع اور مشاغل نہیں ہیں پھر بھی کہیں کسی سڑک پر، کسی کے گھر میں، کسی کے گھیر اور چوپال میں، کسی کی مجلس اور میٹنگ میں خواہ مخواہ وقت کو ضائع کررہے ہیں، عوامی مجالس میں کیا ہوتا ہے سبھی جانتے ہیں، کسی کی برائی ہوتی ہے، کسی کو رسوا کرنے کے تانے بانے بنے جاتے ہیں، کسی کو نیچا دکھانے کی منصوبہ بندیاں ہوتی ہیں، کسی کی غیبت اور چغل خوریاں ہوتی ہیں، کسی کو مطعون اور متہم کیا جاتا ہے، گویا شیطان اپنے تمام تر حربوں اور ضربوں کے ساتھ وہاں موجود ہوتا ہے، کھل کر شیطانی اعمال وافعال انجام دئے جاتے ہیں۔ اگرآپ کے ذہن ودماغ میں یادل کے کسی حاشیے اور بین السطور میں یہ خیال آگیا کہ آپ ان لوگوں سے افضل ہیں تو سمجھو کہ اپنے کئے کرائے پر پانی پھیر دیا، آپ رات دن عبادتیں کیجئے، فرض نمازوں کے علاوہ اشراق، اوابین، چاشت، تہجد، تحیۃ الوضو، تحیۃ المسجد اور دیگر نفلی عبادات کیجئے، تلاوت قرآن اور صیام رمضان سے اپنے آپ کو صیقل کیجئے، اپنے رب کو راضی کرنے کی کوشش کیجئے یہ سب کچھ بہت محمود اور مستحسن ہے لیکن بس اتنی بات اپنے دل میں نہ آنے دیجئے کہ آپ کسی سے افضل ہیں۔

دولت:

دولت اگرا تنی ہی ضروری ہوتی تواللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں خاص کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کوسب سے زیادہ دولت عطا فرماتا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانے کے غریب ترین لوگوں میں شامل تھے، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی دولت کو پسند نہیں فرمایا، غریبوں سے محبت کی اور فرمایا کہ غریب شخص امیر آدمی سے پانچ سو سال پہلے جنت میں جائے گا۔اس لئے اگرآپ کے پاس دولت ہے اور حلال ذریعہ سے حاصل ہوئی ہے تواس پر غرہ اور طرہ نہیں بلکہ اس کا شکرادا کیجئے کہ اس نے دنیاکے غریبوں کی مدد اور نصرت کے لئےآپ کو دولت عطافرماکرآپ کوایک ''امتحان'' میں مصروف فرمادیاہے کہ آپ اپنی دولت کو کس طرح اور کس چیز خرچ کرتے ہیں۔

قارون، فرعون، شداد، نمرود، یہ سب اپنے وقت کے اتنے امیر تھے کہ خدائی کا دعویٰ کر بیٹھے لیکن پھر خدائے تعالیٰ نے ان کا جو حشر کیاوہ سب ہمارے سامنے ہے۔آپ بے شک حلال دولت کے لئے سعی وکوشش کیجئے، دولت ملنے پراللہ تعالیٰ کا خوب شکر ادا کیجئے، جتنازیادہ آپ کو شکر کی توفیق ہوگی دولت میں بھی اضافہ ہوتا جائے گا، ناشکری کا مزاج بنے گا تو دولت ضائع اور برباد ہوتی چلی جائے گی۔

صحت:

اگرآپ صحت مند ہیں، جسمانی نظام بڑا چاق و چوبند ہے، بدن کسرتی ہے، لوگ آپ کے جسم اور متناسب اعضاء کو دیکھ کر تعریفیں کرتے ہیں تو یہ بھی کبر اور گھمنڈ میں مبتلا ہونے کا وقت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کا بہترین موقع ہے ورنہ آپ اسپتالوں میں جا کر دیکھیں تو محسوس ہوگا کہ گویا پوری دنیا بیمار ہے، جیلوں میں جا کر دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ پوری دنیا جیل میں ہے، اگرآپ کو اللہ تعالیٰ نے مشغولی عطافرمار کھی ہے تو بھی اس کا شکر ادا کیجئے ورنہ لاکھوں کروڑوں لوگ مصروفیت کی تلاش میں سر گرداں اور حیران پھر رہے ہیں۔

شہرت:

اگرآپ شہرت کی بلندیوں پر پہنچ چکے ہیں تو بھی غرہ اور غرور کا مقام نہیں شکر کا مقام ہے ورنہ کتنے ہی لوگ اپنے مکان سے باہر پہچانے نہیں جاتے، جانے نہیں جاتے۔

عہدہ:

اگرآپ صاحب منصب وجاہ ہیں، کسی عہدے پر فائز اور کسی مرتبہ پر متمکن ہیں تو اپنے ماتحتوں کے درمیان انصاف کیجئے، اپنے منصب اور عہدے سے اپنے ذاتی اغراض وابستہ مت کیجئے، جو وقت آپ کے کام کا ہے اس میں صاحب عہدہ وصاحب مرتبہ ہیں، ہر وقت اپنے

آپ کو ''صاحب'' تصور کرنے کا خبط آپ کے خبط الحواس اور بکواس ہونے کی دلیل و علامت ہے ،آپ اپنے بال بچوں کے درمیان ایک شوہر، ایک باپ، ایک دادا، ایک نانا، ایک بھائی ،ایک بزرگ اور تجربہ کار فرد ہیں، کہیں بھی جائیں اپنے منصب اور عہدے کو ظاہر کرنے سے احتراز کیجیے ،مشک بنیے جو خود بتاتا ہے کہ آپ کے اندر کتنی خوبیاں اللہ تعالیٰ نے ودیعت فرمائی ہیں ،چراغ بنیے جس کی روشنی سے لوگ رہنمائی حاصل کریں ،اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیجیے کہ اس نے آپ کو بے کار اور بے گار نہیں چھوڑا،اس نے اپنی مرضی سے بہترین مشغولی عطا فرمار کھی ہے۔ ورنہ کتنے ہی لوگ آپ سے بھی زیادہ کمال اور جمال والے جوتیاں چٹخاتے پھر رہے ہیں۔

حسن وجمال:

اگر آپ حسن وجمال والے ہیں ،آپ کا چہرہ آفتاب نیمروز اور ماہتاب شب چہاردہم کے مانند پر کشش اور منور ہے ،آپ کا بدن متناسب اور آپ کے اعضا و جوارح لوگوں کی دلچسپیوں کا مرکز ہیں تو بھی شکر کا مقام ہے ،ورنہ کتنے ہی کریہہ المنظر، بھدی شکل وصورت لوگ اسی زمین پر پھر رہے ہیں اور ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہے۔

کتنے حسین و جمیل مرد و خواتین اس دنیا میں آئے لیکن آج ان کا نام و نشان نہیں ہے، قبر کی مٹی نے ان کی ہڈیوں کو بھی نہیں چھوڑا۔

حسب نسب:

اگرآپ کا حسب ونسب عالی ہے تواس کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ آپ کسی کو گالی دینے لگیں، سبھی کو حقیر سمجھنے لگیں،اپنے آپ کو اعلیٰ و بالا سمجھنے لگیں، عالی نسبی کی وجہ سے اپنی اہلیت بتلانے اور جتلانے لگیں،عالی، بڑا، لائق تعظیم وتکریم صرف وہ ہے **جو ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم** کامصداق ہو۔

درۃ الناصحین کے حوالے سے میں نے ایک واقعہ پڑھاہے کہ حضرت فاطمہؓ کا جب انتقال ہوا تو حضرت علیؓ، حسنؓ، حسینؓ اور حضرت ابوذرؓ نے ان کا جنازہ اٹھایا، جب ان کا جنازہ قبر کے کنارے رکھا گیا تو حضرت ابوذر غفاریؓ نے قبر سے مخاطب کیا کہ اے قبر! کیا تجھے خبر بھی ہے کہ ہم کس کے جنازے کو لائے ہیں؟ یہ فاطمہ زہراء ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی ہیں، یہ علی مرتضیٰؓ کی زوجہ ہیں، یہ حضرات حسنینؓ کی والدہ ماجدہ ہیں، تو قبر نے جو جواب دیا اس کو ان سب نے سنا، قبر کہہ رہی تھی:

"میں حسب ونسب بیان کرنے کی جگہ نہیں ہوں، میں تو عمل صالح کی جگہ ہوں اور مجھ سے وہی نجات پائے گا، جس کی اچھائیاں زیادہ ہوں اور دل مسلمان ہو اور عمل خالص ہو"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں کو اپنی قوموں پر فخر کرنا چھوڑ دینا چاہئے کیونکہ ان کے آباء (حالت کفر میں مرے تھے اس لئے) جہنم کے کوئلوں میں سے

کوئلہ ہیں اگرانہوں نے آباء پر فخر کرنا نہ چھوڑا تو اللہ تعالی کے نزدیک اس گبریلے کیڑے سے بھی زیادہ ذلیل ہو جائیں گے جو اپنی ناک سے گندگی کو دھکیل کرلے جاتا ہے۔[8]

کامیابیاں:

اگرآپ کامیابیوں سے ہم کنار ہیں، کسی امتحان میں آپ نے اچھے نمبرات سے سلیکٹ اور منتخب ہو چکے ہیں، کسی مقصد میں اللہ پاک نے کامرانی مقدر فرمادی ہے تو بھی اس کا شکر ادا کیجئے کہ اس نے ایک بڑی تعداد میں سے آپ کو چنا ہے۔

دور حاضر کے سیاسی بازی گروں کی طرح نہ کریں کہ چناؤ سے پہلے لوگوں کے گھر گھر جائیں ، جھولی پھیلا کر، رو رو کر، منتیں کر کے ووٹ مانگیں،نئے نئے وعدے اور ارادے ظاہر کریں اور جیتنے کے بعد اپنے گھر کے دروازے ہی بند کرلیں یہ احسان فراموشی کی سب سے اعلیٰ شکل ہے۔راہی فدائی پھر یاد آئے:

باندھ لے اپنی گرہ میں یہ نصیحت راہی

ضبط سے کام لے ناخن نہ بڑھا خارش میں

---

(8)ابوداؤد

لوگوں سے حسب مراتب برتاؤ

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **انزلوا الناس منازلھم** [9] ”لوگوں کو ان کے مرتبہ میں اتارو“۔

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں ایک تو اس کا ظاہری مطلب ہے جو ظاہر ہے کہ لوگوں کو ان کے مقام اور مرتبے کے مطابق جگہ دو، یعنی کوئی بادشاہ وقت آجائے تو اس کی شایان شان اس کی خاطر کرو، کوئی عام انسان آجائے تو اسی کے معیار کے مطابق اس سے معاملہ کرو، ورنہ رسوائی ہوگی چنانچہ مجھے یاد آیا ایک نہایت ہی دیہاتی لڑکے کا رشتہ لکھنؤ میں کسی امیر کے یہاں ہوگیا، امیر نے اپنی عادت کے مطابق ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں ان مہان مہمانوں کے لئے نظم کیا، ہوٹل کا معیار اتنا بڑھا ہوا اور مہمانوں کا معیار اتنا گھٹا ہوا کہ بعد میں مہمانوں کو شکایت رہی کہ پتہ نہیں کیا کیا کھلادیا اور ہوٹل والوں کو شکایت رہی کہ مہمانوں نے واش بیسن توڑ دئے، انگلش ٹوئلٹ کو برباد کردیا، شیشے کے خوبصورت دروازوں کو سالن کے نشانات سے داغ دار کردیا، فرش کو آلودہ اور بیت الخلاء کو ”فالودہ“ کردیا، میزبان کو شکایت کہ کئی لاکھ روپے

---

(9)ابوداؤد

ہر جانے کے بھرنے پڑے، کاش کہ فائیو اسٹار ہوٹل کے بجائے کسی کھلے میدان میں ٹینٹ لگا کر کھلا دیتا تو اتنا نقصان اور رسوائی نہ ہوتی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا دوران سفر ایک جگہ اتریں، وہاں ایک فقیر آگیا ،آپ نے حکم دیا کہ: اسے ایک قرش (پیسہ) دے دو، دوسرا شخص گھوڑے پر سوار گزرا تو آپ نے فرمایا کہ اسے کھانے پر بلاؤ، پوچھا گیا کہ آپ نے اس مسکین کو ایک قرش دیا اور اس مالدار آدمی کو کھانے پر مدعو فرمایا؟ آپ نے جواب دیا کہ اللہ نے لوگوں کو ان کی حیثیت کے مطابق جگہ دی ہے ، ہمارا بھی فرض ہے کہ لوگوں کے ساتھ ان کی حیثیت کے مطابق ہی برتاؤ کریں، یہ مسکین ایک قرش پر خوش ہو سکتا ہے لیکن ہمارے لیے نامناسب ہے کہ اس مالدار کو جو اس شان سے آیا ہو ہم ایک قرش دیں۔

حضرت مولانا شاہ ابرار الحق ہردوئیؒ قرآن کریم کے مکاتب میں سب سے بہترین فرش بچھواتے تھے، دیگر درجات اور درسگاہوں میں اس سے کم تر، وجہ فرماتے تھے کہ قرآن کریم کلام الٰہی ہے، کلام الٰہی کا تقاضا ہے کہ اس کو سب سے زیادہ اہمیت اور عزت دی جائے۔

سکندر بادشاہ نے اپنی مجلس میں کہا کہ میں نے کبھی کسی کو محروم نہیں کیا، مجھ سے جس نے جو کچھ مانگا میں نے اسے دیا، ایک شخص نے بادشاہ سے عرض کیا کہ مجھ کو ایک درم کی ضرورت ہے دیدیجئے! بادشاہ نے پتے کی بات کہی کہ ”**از بادشاہاں چیزے محقر**

خواستن بے ادبی است'' بادشاہوں سے نہایت ہی بے وقعت اور حقیر چیزیں طلب کرنا گستاخی اور بے ادبی ہے''۔ وہ شخص بولا کہ اگر ایک درم دینے میں عار محسوس تو مجھ کو ایک ملک دیدیجئے! بادشاہ نے پھر بہت عمدہ بات کہی کہ ''پہلے تو سوال کیا جو میرے مرتبہ سے کمتر تھا اور دوبارہ سوال کیا جو خود کی اوقات سے زیادہ ہے، جو بھی سوال کیا غلط کیا۔

بڑوں کے پاس اکثر و بیشتر خادم و خدام بداخلاق یا نااہل ہوتے ہیں، بہت خوش نصیب ہوتے ہیں وہ اکابر جن کے خدام تربیت یافتہ، مزاج آشنا اور مخلص ہوتے ہیں، بہت سے خدام تو اپنی خدمت کے لئے بڑوں کی خدمت میں حاضر رہتے ہیں، فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ کے ایک غریب عقیدت مند کی خواہش تھی کہ وہ حضرت کی دعوت کرے، لیکن خادم وقت ہی نہیں دیتا تھا، ایک دن بڑی منت سماجت کی کہ کوئی بھی تاریخ دے دو تاکہ انتظام کرلوں لیکن خادم نے ایک نہیں سنی۔ وہ صاحب چلے گئے، حضرت مفتی صاحب نے قرائن سے حالات کو سمجھ لیا تو ایک صاحب کو بھیجا کہ واپس بلا کر لاؤ، وہ صاحب حاضر خدمت ہوئے، مفتی صاحب نے پوری بات سنی تو اپنے خادم سے فرمایا کہ جس تاریخ کو یہ دعوت کریں قبول ہے، اس دن کے بقیہ نظام کو کینسل کردو۔ چنانچہ اس کے جانے کے بعد حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ غریبوں کی دعوتیں ہرگز نہ ٹھکرانا، یہ لوگ بڑے مخلص، محنتی، جفاکش اور قدر قلیل حلال کمانے والے ہوتے ہیں ان کے سادہ کھانے میں جو برکت اور رحمت ہوتی ہے وہ مرغن اور مرغ ومسلم میں نہیں ہوتی۔

سنو سنو! حضرت جریر بن عبداللہ البجلیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت کدے پر حاضر ہوئے، پہلے سے ہی بہت سے صحابہ مجلس میں موجود تھے اس لئے جگہ تنگ تھی چنانچہ دروازے کے پاس ہی بیٹھ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر مبارک انہیں پیش کی اور فرمایا ''اس پر بیٹھئے'' حضرت جریرؓ نے چادر کو اپنے چہرے سے لگایا اسے بوسہ دیا اور اس تکریم کو دیکھ کر رونے لگے۔ شکریہ ادا کرتے ہوئے چادر مبارک واپس کر دی اور عرض کیا کہ یارسول اللہ ! جیسی آپ نے مجھے عزت دی، اللہ آپ کو اس سے بھی زیادہ عزت بخشے، آپ کی چادر پر میں نہیں بیٹھ سکتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اذا اتاکم کریم قوم فاکرموہ۔ جب تمہارے پاس کسی قوم کا کوئی معزز آدمی آئے تو تم اس کا احترام کرو''۔ (10)

---

(10) ابن ماجہ

گفتگو کا معیار

پہلی بار جب ہوائی جہاز میں بیٹھنے کی نوبت آئی تو ہر چیز عجیب وغریب محسوس ہورہی تھی، ہوائی جہاز میں اڑان سے پہلے ایر ہوسٹس نے بتایا گیا کہ ہم ہندی، انگریزی اور بنگلہ زبان میں بات کر سکتے ہیں، جہاز کے اترنے سے پہلے اس شہر کا درجہ حرارت بتایا گیا۔

اِس سے دو باتیں معلوم ہوئیں کہ اُس ہوائی جہاز میں اگر آپ کو کسی چیز کا مطالبہ کرنا ہے تو تین زبانوں میں سے کسی بھی زبان میں کر سکتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ باہری موسم کے اعتبار سے آپ اپنے لباس کو زیب تن کر سکتے ہیں تا کہ اچانک بدلنے والے موسم سے آپ کی طبیعت خراب نہ ہو جائے۔

یعنی ذہنی اور جسمانی دونوں اعتبار سے آپ کو سنورنا اور تیار رہنا ہے۔ سردی والے کپڑے پہن کر آپ گرم علاقے میں پریشان ہو جائیں گے اور گرم کپڑے پہن کر آپ سرد علاقے میں پریشان ہو جائیں گے۔

مجھ سے میرے استاذ حضرت مولانا محمد یوسف زید پوری مدظلہ نے بیان کیا کہ ایک بار امدادالعلوم زید پور ضلع بارہ بنکی میں حضرت مولانا علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ کو دعوت دی گئی، علامہ صاحب تو ماشاء اللہ علامہ بھی تھے فہامہ بھی، معقولات کے امام بھی تھے اور منقولات کے ماہر ترین عالم بھی، دوران تقریر طلبہ اور علماء اش اش تو عوام ہش ہش کر رہے تھے۔

اہل علم حضرات علامہ صاحب کی تقریر میں کھو گئے تھے اور عوام بے چارے حضرت کی تقریر سے اوب گئے تھے، ایک طبقہ کے دل میں ان کی تقریر اترا تر جارہی تھی۔

دوسرے طبقہ کے سر سے ان کی تقریر گزر گزر جارہی تھی۔ تقریر کے بعد ایک طبقہ تعریف میں کہہ رہا تھا کہ واہ کیا تقریر کی ہے؟ دوسرا طبقہ سراپا حیرت واستعجاب بنا ایک دوسرے سے پوچھ رہا تھا کہ کیا تقریر کی ہے؟

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنی طالب علمی کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ ہم لوگ حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کے پاس پڑھ رہے تھے، حضرت نے سبق میں تقریر فرمائی تو وہ تقریر ہمارے پلے نہیں پڑی، ہماری سمجھ میں نہیں آیا، عرض کیا گیا کہ حضرت تھوڑا سا نزول فرما کر تقریر کیجئے۔

چنانچہ حضرت نے پھر کچھ آسان تقریر فرمائی اب بھی بات پوری طرح سمجھ میں نہیں آئی تو پھر نزول کی درخواست کی گئی، حضرت نے تیسری مرتبہ پھر مزید آسان کر کے تقریر کی تب حضرت تھانویؒ اور ان کے رفقائے درس کی سمجھ میں سبق آسکا۔

تقریر کا حسن اور تحریر کا جادو اسی وقت موثر اور اثرانداز ہوتا ہے جب مخاطب کی رعایت رکھی جائے، بہت سے انشاءپردازوں کی تحریرات آج اسی لئے ردی کی ٹوکری میں پھینک دی گئی ہیں کہ ان کی باتیں اور مشمولات اتنے معیاری تھے کہ اس معیار کے پرکھنے اور پڑھنے والے نہیں رہے۔

مجھے تعجب ہوتا ہے دو شخصیتوں پر جو علوم اور فنون کے دریا پئے ہوئے تھے، ان میں سے ایک نے بہشتی زیور لکھی جو عورتوں کے لئے لکھی جانے والی کتابوں میں اب بھی سب سے عمدہ اور سب سے بہتر ہے، دوسرے نے عوام کے لئے تبلیغی نصاب لکھی جس میں کوئی قابلیت نہیں بگھاری، اس قدر نزول کے بعد کتاب لکھی کہ تھوڑا سا پڑھا لکھا بھی سمجھ لیتا ہے۔

دونوں نے آسان عبارت، سلیس ترجمہ اور عام فہم اسلوب اختیار کیا۔ نتیجہ آپ کے سامنے ہے کوئی گھر ایسا نہیں جس میں بہشتی زیور نہ پڑھی جاتی ہو اور کوئی مسجد ایسی نہیں جس میں تبلیغی نصاب نہ سنی جاتی ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انبیائے کرام کو اس بات پر مامور کیا گیاہے کہ وہ لوگوں کی عقلوں اور ان کے فہموں کے مطابق گفتگو کیا کریں۔**امرنا ان نکلم الناس علی قدر عقلولھم**۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ **حدثوا الناس بما یعرفون اتحبون أن یکذب اللّٰہ ورسولہ**[11]۔لوگوں سے تم ایسی باتیں بیان کرو جن کو وہ سمجھ سکتے ہوں کیا تم یہ چاہتے ہو کہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کریں۔

کیونکہ لوگوں کو جو بات بھی عجیب وغریب محسوس ہوتی ہے وہ فوراًاس کو جھٹلا دیتے ہیں،اس جھٹلانے کی وجہ آپ بنے ہیں،آپ نے ان سے ایک ایسی بات بیان کر دی ہے جس کے لئے آپ نے پہلے سے اُن کو تیار نہیں کیا تھا۔

حضرت رابعہ بصریؒ حضرت حسن بصریؒ کے وعظ میں تشریف لے جاتیں تو حضرت حسن بصریؒ اُس دن بڑے ذوق وشوق سے وعظ فرماتے اور علم و معرفت کے دریا بہادیتے۔

---

(11)بخاری

ایک دن لوگوں نے آپ سے پوچھا۔ حضرت آپ اسی دن کیوں وعظ فرماتے ہیں جس دن حضرت رابعہ بصری تشریف لاتی ہیں۔ حالانکہ مخلوق خدا کا تو ہمیشہ ہجوم رہتا ہے۔ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا:

''جو شربت ہاتھیوں کے برتنوں کے لیے ہوتا ہے وہ چیونٹیوں کے برتنوں میں نہیں ڈالا جاتا''۔(12)

تجربہ کرلیجئے کسی بھی منبر و محراب اور اسٹیج پر اگر آپ کے مخاطب ہونہار، ہوشیار، عاقل و بالغ اور علماء ہوں گے تو آپ کی تقریر عالمانہ ہوگی اور اگر آپ کے سامنے بچے اور طفل نوخیز موجود ہوں گے تو آپ اپنی تقریر کے معیار اور الفاظ و حروف کے انتخاب میں نزول پر مجبور ہوجائیں گے۔

مضمون یا تقریر وہی معیاری اور بہتر ہے جو لوگوں کی سمجھ میں آجائے اور لوگ عمل پر مجبور ہوجائیں۔

---

(12) خواتین کے لیے منتخب تقاریر

معدہ اور مائدہ

”ایک دن میں نے رات کو معمول سے زیادہ کھالیا، مجھے ثقل اور گرانی محسوس ہوئی، نیند کا غلبہ ہو گیا، میری نماز بھی جاتی رہی، میں نے خواب میں کچھ عورتوں کو دیکھا جو مجھ پر نوحہ کر رہی تھیں، میں نے ان سے کہا کہ میں تو زندہ ہوں، انہوں نے جواب دیا کہ نہیں تو زندہ نہیں بلکہ مردہ لوگوں میں سے ہے، کیا تجھے معلوم نہیں کہ کھانے کی زدیاتی انسان کے جسم کو مردہ کر دیتی ہے اور آدمی کو پتھر کی طرح کر دیتی ہے، میں نے ان عورتوں سے پوچھا کہ اس سے نجات کا راستہ کیا ہے؟ تو جواب دیا کہ جب کھانے کی کچھ رغبت باقی ہو تو کھانا موقوف کر دو یہ چیز تمہارے بدن کی سلامتی اور راحت کے لئے مناسب ہے“۔(13)

بات کسی ایک جماعت اور ایک قوم کی نہیں بالکل عمومی بات ہے جو لوگ زیادہ کھانے کے عادی ہوتے ہیں وہ زیادہ سست، کاہل اور ناکارہ ہوتے ہیں، بسیار خوری سے مسائل حل نہیں ہوتے بلکہ مسائل پیدا ہوتے ہیں۔

---

(13) بھوک اور فاقہ کے فوائد

مجھ سے ایک غیر مسلم ڈاکٹر نے کہا کہ

"موجودہ مسلمانوں میں دو عادتیں ایسی ہیں جو پہلے کبھی نہیں تھیں نمبر ایک مسلمان فالتو میں دیر تک جاگتا ہے نمبر دو کھانا ہمیشہ مرغن کھاتا ہے، اِن دونوں عادتوں کی وجہ سے وہ بہت سی نئی نئی پریشانیوں اور بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے چنانچہ دیر تک جاگنے سے نیند میں کمی واقع ہوتی ہے، نیند میں کمی صحت کی گراوٹ کا سبب بنتی ہے۔

صحت میں گراوٹ کاموں سے دلچسپی کو ختم کر دیتی ہے، کاموں میں عدم دلچسپی غربت کا ذریعہ بن جاتی ہے، غربت انسان کو کہیں کا نہیں چھوڑتی، غریب شخص کسی بھی مذہب کا ہو سچی بات یہ ہے کہ اس کا کوئی مذہب نہیں ہوتا دوسری بات یہ ہے کہ مسلمان ہمیشہ مرغن اور تیل والی چیزیں کھاتا ہے، گوشت اس کو ہر وقت چاہئے، گھی اور تیل کی چیزیں اسے نہایت مرغوب ہیں، سبزی سے وہ کوسوں دور رہتا ہے، سبزی کھائے گا تو اس میں بھی گوشت ملادے گا، جس سبزی میں گوشت مل گیا تو اس سبزی کی اپنی ذاتی افادیت متأثر ہوگئی، اس کے نفع کی وہ حالت بالکل بدل جائے گی جو اللہ تعالیٰ نے اس میں رکھی ہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مسلمان یہ شاندار کھانے کھاتا ہے اور جانوروں کی طرح اسی جگہ ڈھیر ہو جاتا ہے، اس کا نفس آرام کا طالب ہوتا ہے، آرام کے نام پر وہ کافی وقت ضائع اور برباد کر دیتا ہے، صبح دیر سے سو کر اٹھتا ہے، رات بھی مرغن چیزیں کھائی تھیں، صبح بھی نہاری اور

تماری سے کم پر راضی نہیں ہوتا،اس کی وجہ سے اس کا معدہ بو جھل ہو جاتا ہے،اس کا پیٹ نکلنے لگتاہے،اس کے جسم میں چربی کی کثرت ہو جاتی ہے،پیدل چلنے پر اس کی طبیعت راغب اور راضی نہیں ہوتی ،سواری اور سہولت اس کا مزاج بن جاتاہے،اس کی وجہ سے مسلمان صرف کھانے اور پاخانے تک محدود ہو کر رہ جاتا ہے۔

حضرت محمد صاحب کی ہسٹری میں نے پڑھی ہے،انہوں نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا،میدہ تو دور کی بات ہے کبھی چھنے ہوئے آٹے کی روٹی نہیں کھائی،ان کے صحابہ کئی کئی وقت بھوکے رہتے تھے، کھجوریں کھا کھا کر بلکہ کھجور کی گٹھلیاں چوس چوس کر جنگیں لڑی ہیں اور کامیاب ہوئے ہیں،ان کی کامیابی میں ان کا ایمان تو شامل ہے ہی ان کی پھرتی اور ان جسم کا ہلکا پھلکا ہونا بھی ایک اہم وجہ ہے، کسی بھی صحابی نے کبھی بھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔

وہ لوگ زیتون کا کثرت سے استعمال کرتے تھے، تمام تیلوں میں صرف زیتون ہی ایک ایسا تیل ہے جس سے موٹاپا بڑھتا نہیں گھٹتا ہے،آپ لوگ چربی کے آگے زیتون کو گھاس نہیں ڈالتے،آپ کے یہاں مصالحے اس قدر کھائے جاتے ہیں کہ اس کی کوئی حد نہیں ہے، یہ مصالحے آگے چل کر مسئلہ پیدا کرتے ہیں۔

ہمارا جسم ہمارے نفس کی طرح ہے ،جب ہمارا نفس ایک ہی چیز کو ہر وقت کھانے پر راضی نہیں ہوتا ہے تو ہمارا معدہ کیونکر ہر وقت ایک ہی چیز یعنی تیل گھی چربی، گوشت مصالحے

وغیرہ کھاسکتاہے ؟اسی لئے بلڈپریشر کامسئلہ پیدا ہوتاہے،اسی لئے کولیسٹرول کی زیادتی ہوجاتی ہے،اسی لئے نظام ہاضمہ متاثر ہوجاتاہے،اسی لئے طبیعت گری گری بوجھل رہنے لگتی ہے۔

آپ لوگ یہ تو کہتے ہیں کہ کسی نبی کو کبھی ڈکار اور جمائی نہیں آئی لیکن یہ نہیں سوچتے کہ جمائی اور ڈکار کا تعلق معدہ کے خالی اور بھرے ہونے سے ہے ،جب انسانی معدہ بالکل بھر جاتاہے تو جمائی، کاہلی، سستی اور آرام طلبی کامزاج پیدا ہوجاتاہے

آپ نے جانوروں کو دیکھاہے وہ ہمیشہ سادہ غذا کھاتے ہیں،اگر جانوروں کو بھی وہی غذا کھلائی جانے لگے جو انسان خاص کر مسلمان کھاتے ہیں تو گھوڑا دوڑنے سے، گدہا بوجھ لادنے سے، ہرن قلانچیں بھرنے سے معذور ہوجائے گا۔

اگرآپ نے دھیان دیاہو تو محسوس بھی کیا ہوگا کہ پالتو جانوروں میں چربی کی مقدار جنگلی جانوروں سے زیادہ ہوتی ہے وجہ پر دھیان دیجیے صرف ایک ہی وجہ سمجھ میں آتی ہے وہ ہے آرام طلبی، گھریلو اور پالتو جانور ایک کھونٹے سے بندھے رہتے ہیں، جس کی وجہ سے ان میں چربی زیادہ پیدا ہوجاتی ہے اور گھروں کا کھانا، چارے کے ساتھ آٹا اور دیگر وہ چیزیں بھی ملادی جاتی ہیں۔ جن کا جانوروں کی غذاؤں سے تعلق نہیں ہے اس کے باعث جانوروں میں چربی اور موٹاپا بڑھ جاتاہے ،وہی جانور جب ہماری غذا اور خوراک بنتاہے تو ہمارے جسم کے اندر بھی چربی کی مقدار بڑھ جاتی ہے''۔

یہ ساری باتیں سہارنپور کے صوفیہ مارکیٹ میں موجود مشہور ڈاکٹر ایس ایس کمار سے گفتگو پر مبنی ہیں، وہ کہتے تھے کہ چیزوں کی اور یجنلٹی اسلام میں ہے لیکن ان کا استعمال مسلمان نہیں کرتے ،ڈاکٹر صاحب آنکھوں کے مشہور معالج تھے وہ کہتے تھے کہ میں ہمیشہ اپنی آنکھوں میں زمزم کے قطرات ٹپکاتا ہوں اور امراض چشم سے محفوظ رہتا ہوں، مسلمان زمزم کی پوری پوری بوتل بغیر کسی نیت کے ڈکار جاتا ہے جب کہ اس کی تعلیم میں یہ چیز شامل ہے کہ زمزم کو جس نیت سے پیا جائے فائدہ ہو گا۔

ممکن ہے قارئین فرمائیں کہ ڈاکٹر صاحب مؤمن نہیں تھے مسلمان نہیں تھے ،اس لئے مذہبی معاملات میں ان کی باتیں لائق توجہ نہیں ہیں تو بتاتا چلوں کہ حضرت عبدالرحمن بن زید نام کے ایک مشہور بزرگ گزرے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ مسلمان سب سے پہلے جس چیز کے متعلق عمل کرتا ہے وہ اس کا پیٹ ہے، پس اگر اس کا پیٹ راہ راست پر رہے تو اس کا دین بھی اچھا رہتا ہے اور اگر پیٹ سرکشی کرے تو دین میں بھی بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے کون ناواقف ہے ان ہی کا ارشاد ہے کہ حکمت ودانائی، بھرے معدے میں نہیں ٹھہر سکتی۔

دنیائے زہد و قناعت کے پہاڑ حضرت مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ میں سبزی فروش کو ہر مہینے ایک درہم اور دو دانق دیتا ہوں جس کے بدلے میں مجھے ایک مہینہ تک دو روٹی یومیہ

ملتی ہیں، ہر رات کے لئے دو روٹیاں، اگر یہ دو روٹیاں گرم گرم مل جائیں تو ان کا گرم ہونا ہی سالن کے قائم مقام سمجھتا ہوں اور کھالیتا ہوں، بھوک تکبر اور غرور کو دور کرتی ہے اور شکم سیری غور میں اضافہ کا سبب ہے۔

حضرت ابو عبداللہ الصوریؒ فرماتے ہیں:

”جب بھی کوئی شخص شکم سیر ہو کر کھاتا ہے تو اس کی عقل کا ایک حصہ جاتا رہتا ہے جو پھر کبھی نہیں آتا“

حضرت عبداللہ بن مرزوقؒ کا ارشاد ہے:

”جو آدمی گھی اور شکر ملا کر کھانا کھائے، اس کو اپنے گناہوں کی کبھی کوئی فکر نہیں ہو گی“

حضرت زیادہ القیسیؒ فرماتے ہیں:

”بھوکے رہا کرو کیونکہ بھوک تقویٰ کا محور اور بنیاد ہے“

حضرت سلمہ الاسواریؒ فرماتے ہیں:

"تم ہمیشہ بھوک اختیار کرو کیونکہ اس سے اس دن خوشی ہو گی جس دن لوگ خسارے میں ہوں گے"۔

فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ کو شاعری سے کوئی تعلق نہیں تھا لیکن میں نے دوران درس بھی اور دوران تقریر بھی چند اشعار سنے ہیں ان ہی اشعار میں اکبر الہ آبادی کے یہ دو شعر بھی ہیں:

جنابِ شیخ سے جا کر ذرا اللہ کہہ دینا

کہ گمراہی تھی مجھ سے رِند کو گمراہ کہہ دینا

بہت مشکل ہے ہے بچنا بادہِ گُلگوں سے خلوت میں

بہت آساں ہے یاروں میں معاذ اللہ کہہ دینا

ہماری عادت اور ہمارا مزاج ہے کہ ہم دعوتوں پر دعوتیں کھا لیتے ہیں، کھانے پر کھانا کھا لیتے ہیں، پیٹ میں بالکل گنجائش نہیں ہے لیکن نفس ہل من مزید کا طالب اور حریص رہتا ہے، جسم بوجھل ہے، پیر چلنے سے عذر کر رہے ہیں تو رکشہ اور گاڑی سے چلے جاتے ہیں لیکن جاتے ضرور ہیں اور کھاتے ضرور ہیں، بعض لوگ تو پیٹ کے اتنے کمزور اور ایمان کے اتنے ناقص واقع ہوتے ہیں کہ کھاتے وقت اگلے کھانے کی ترتیب بنا رہے ہیں، کب کیا کھانا ہے۔ ہمیں نہیں معلوم، رات کو کون سی غذا کھانی چاہئے، دن میں کون سی چیز کس چیز کے ساتھ کھانی چاہئے اور کیا نہیں کھانی چاہئے اس کا ہمیں پتہ نہیں چلتا ہے۔

ایک ہی دستر خوان پر گوشت بھی ہے، اچار بھی ہے، گھی بھی ہے، چینی اور چاول بھی ہیں، مچھلی بھی ہے اور کوفتے بھی، قیمہ بھی ہے اور دہی بھی، لیمو بھی ہے اور سرکہ بھی، کبھی نہیں توفیق ملتی کہ طب کی کتابوں کو پڑھ کر ہم پتہ لگالیں کہ کس غذا کا کیا مزاج ہے، کس موسم میں کیا چیز کھانی چاہیے، سردی کا موسم ہے اور کھیرے کھائے جارہے ہیں، کلفی اور فیرینی پر ہاتھ صاف کیا جارہا ہے۔ گرمیوں کا موسم ہے اور انڈے مچھلیاں ہضم ہو رہی ہیں، شیرینی اور کھیر کھائی ہے اور اوپر سے لیمو نچوڑ کر کھانے کو ہضم اور ختم کرنے کے جتن کئے جارہے ہیں۔

یہ نہیں سوچتے کہ لیمو دودھ کا دشمن ہے اور دودھ، کھیر، شیر وغیرہ آپ کے معدے میں کافی مقدار میں پہلے سے موجود ہے، دودھ میں لیمو نچوڑ دیا جائے تو دودھ پھٹ جاتا ہے یہ کام ہم باہر والے برتن میں نہیں کرتے اور اندر والے برتن (پیٹ) کا ستیاناس کر رہے ہوتے ہیں۔

بے شک پیٹ آپ کا ہے لیکن یہ بھی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ایک امانت ہے، معدہ ایک برتن ہے جس کو مائدہ سے اتنا نہیں بھرنا چاہیے کہ جانوروں اور انسانوں میں امتیاز ہی باقی نہ رہے۔

مصیبت آنے والی ہے

"باپ نے جائداد چھوڑی،دو بیٹے چھوڑے ،دونوں میں بہت محبت تھی ،سچا پیار تھا،لیکن دونوں کے درمیان جائداد کی تقسیم میں کچھ اختلاف پیدا ہوگیا،طے پایا کہ عدالت سے فیصلہ کرالیا جائے ،استغاثہ دائر ہوگیا،پیشیاں شروع ہوگئیں،یہ دونوں بھائی دل کے بہت اچھے اور وفادار تھے ،دونوں ایک دوسرے کے خیر خواہ تھے، نہیں چاہتے تھے کہ ایک کو دوسرے سے کوئی تکلیف پہنچے،اس باب میں اخراجات سے بھی بچنا اور بچانا چاہتے تھے چنانچہ ایک ہی رکشہ پر بیٹھ کر کچہری جاتے تھے،ایک ساتھ کھانا اور چائے پیتے تھے، باہم شیر وشکر رہتے تھے"۔

یہ واقعہ اپنے مخصوص اسلوب اور انداز میں تفصیل کے ساتھ حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمیؒ نے اپنے کسی مضمون میں لکھا ہے،اس واقعہ سے ہمیں اختلافات کی حدود کو محدود کرنے میں آسانیوں کا سبق ملتا ہے۔

ہم جس سے اختلاف کرتے ہیں اس کو زمین کی تہوں میں اتار دینا چاہتے ہیں، ہم اپنے آپ کو بہت ہی ہوشیار، تیز وطرار، جہاں دیدہ اور ماہر سمجھتے ہیں، ہمارا دماغ ہر وقت یہ تانے بانے بنتا ہے کہ کس طرح اپنے مخالف کو زیر کیا جائے ، کس طرح اس کو نیچا دکھایا جائے ، کس عیاری

اور مکاری حتیٰ کہ غداری وبے وفائی کاارتکاب کرکے اس کوایسا سبق سکھایا جائے کہ اس کی نسلیں یادرکھیں۔

اِس ادھیڑبن میں ہمارے مخالف اور مدمقابل کاتوکچھ نقصان نہیں ہوتاالبتہ درمیان کے وکلا مالامال ہوتے رہتے ہیں ،دونوں طرف کے وکیل ایک ہی میزپرچائے نوشی کرتے ہیں،مشورے کرتے ہیں،ایک دوسرے سے معاملات طے کرتے ہیں ،روپے پیسوں کی باتیں طے ہوتی ہیں اور کہتے دکھائی دیتے ہیں کہ ہمارے موٗکل توہماراروزگارہیں اور ہمارے ہم منصب اورہم پیشہ وکلا ہماراکنبہ خاندان ہیں، کبھی کسی وکیل نے عدالتوں کے باہرایک دوسرے کا گریبان نہیں پکڑا۔

کبھی کسی عدالت نے کسی بھی جائزیاناجائزکیس کومفت میں فائنل نہیں کیا،کیس کیسا بھی ہو،معاملہ کیسا بھی ہو،حالات کیسے بھی ہوں،عدالتی اخراجات میں کوئی تخفیف اوررعایت نہیں ہوسکتی،ججوں کی تنخواہیں وزرائے اعلیٰ سے زیادہ ہوتی ہیں،ان کی رعایتیں ان کی مراعات،ان کے اختیارات سربراہان مملکت سے زیادہ ہوتے ہیں،کیونکہ ان کوجوکام ملاہواہے وہ نہایت اہم ہے،ان کی تعلیم اوران کی تربیت پراعلیٰ ترین دماغ صرف ہوئے ہیں،اعلیٰ تعلیم کے لئے لمبے اخراجات ہوئے ہیں ،کرسئ عدالت پرکسی ایرے غیرے نتھوخیرے کاتقررنہیں ہوتا،وہ دن لدگئے جب کھڑک سنگھ کے کھڑکنے سے کھڑکیاں کھڑکتی تھیں یاکھڑکیوں کے کھڑکنے سے کھڑک سنگھ کھڑکتا تھا۔

دولت اور جائداد کو پانے کے لئے ہم عدالتوں میں کیس دائر کرتے ہیں اور کیس کے فائنل ہونے تک ،تاریخ پر تاریخ لگنے اور آنے جانے میں ،وکیلوں کی فیس اور دیگر اسٹامپ کے اخراجات ، نیز اس پورے معاملہ میں اپنے قیمتی وقت کے ضیاع کے ساتھ اپنی آمدنی کے نقصان کا آپ حساب لگایئے تو چودہ طبق روشن ہو جائیں گے۔

ہم اپنی جائداد کو پانے کے چکر میں اپنی عمریں ضائع کر دیتے ہیں،ایک دوسرے کو ختم اور بھسم کر دینے کے لئے کیا کیا نہیں کرتے ،ذرا سنجیدگی سے سوچیں ،عدالتوں میں معاملات چلے جانے کے بعد آپ کے اپنے اختیارات ختم ہو جاتے ہیں ،عدالتوں میں ایک ایک پیشی کے لئے آپ کو،آپ کے وکیلوں کو، آپ کے حوالیوں اور موالیوں کو کتنی محنت کرنی پڑتی ہے، کتنا وقت برباد کرنا پڑتا ہے سب کا حساب لگایئے اور پھر اس جائداد کی قیمت پر دھیان دیجئے تو پتہ چلے گا کہ جائداد سے زیادہ آپ دونوں پارٹیوں نے خرچہ کر دیا ہے۔

اس درمیان میں آپ کی نسلیں برباد ہوتی رہیں،آپ کے خاندانی رشتے اور تعلقات منقطع رہے،آنا جانا اور خیر وعافیت کا لینا دینا موقوف رہا، دشمنیاں پنپتی اور پیدا ہوتی رہیں، دوریاں بڑھتی رہیں،پرانے لوگ یہ درد، یہ کرب اور یہ قلق دیکھتے دیکھتے چلے گئے ، نسلیں آتی جاتی رہیں،جج اور عدالتیں بدلتی رہیں، وکلا اور موکل بدلتے رہے ، یہاں تک کہ نوبت بایں جا رسید کہ فائلیں دب گئیں، حکومتیں بدل گئیں، حالات تبدیل ہو گئے ، کل تک جہاں کھیت وکھلیان تھے آج وہاں عمارتوں اور پلازوں کی قطاریں ہیں، کل تک جہاں چوپالیں تھیں آج وہاں مال

سینٹر ہیں، کل تک جہاں پرانے اور کہنہ کھنڈرات تھے آج وہاں مارکیٹیں اور شاپنگ سینٹر ہیں اوریوں ہی دنیاچلتی رہے گی،موسم کی طرح لوگ اورلوگوں کی طرح موسم بدلتے رہیں گے ،**تلک الایام نداولھا بین الناس** کی اس سے اچھی تفسیر کیاہو سکتی ہے جو خود اللہ احکم الحاکمین اپنی حاکمیت اور قدرت کاملہ سے ہر وقت اور ہر آن ظاہر فرماتا رہتا ہے۔

بے وقوف لوگ ہیں جو اپنے بڑوں کی نہیں مانتے،احمق ہیں جو تجربہ کاروں کی نہیں سنتے، کندۂ ناتراش ہیں جو اپنے دل کی طرف دھیان نہیں دیتے،اپنے آپ کو زبر کرنے کے لئے دوسرے کو زیر کرنے کی حماقت نہیں کرنی چاہئے کیونکہ کل کو ہمیں اللہ احکم الحاکمین کے سامنے پیش ہونا ہے جہاں ہمارا طنطنہ نہیں چلے گا وہاں ایک دغدغہ دامن گیر رہے گا،وہاں فرار کے تمام تر راستے مسدود ہوں گے۔

سوچیں اور غور کریں! فرض کیجئے کہ آپ نے مقدمات لڑکر ایک جائداد حاصل کر ہی لی لیکن اس کے حصول میں آپ نے اپنی عمر عزیز ضائع کردی، کتنی ہی نمازیں قضاہو گئیں، کتنے ہی فرائض ترک ہوگئے، کتنے ہی خونی رشتے چھوٹ گئے، کتنی ہی بدگمانیوں نے ہمارے وجود کو کھوکھلا کردیا، کتنے ہی وکلا کو آپ کی دولت نے دولت مند کردیا،عدالتیں ملک کو ترقی دیتی ہیں ،ملکی اقتصاد کا مضبوط رشتہ اور سلسلہ ان عدالتوں سے جڑا ہوا ہے۔آپ اتنا بھی نہیں سوچتے؟

وہ مسائل اور معاملات جو ایک منصف دو منٹ میں حل کر کے معاملہ کو ختم کر دیتا ہے کیوں سالہا سال لگ جاتے ہیں ؟ کیوں ایک عدالت کے اوپر دوسری عدالت اور ایک کیس کے اوپر دوسرا کیس موجود ہے ؟ کیوں نہیں سمجھتے کہ ہر اگلی عدالت پچھلی عدالت سے مہنگی ہے، ججز مہنگے ہیں، فیس مہنگی ہیں، اخراجات زیادہ ہیں، اور آپ کے اپنے اختیارات کم سے کم ہوتے جاتے ہیں۔ ختم ہوتے جاتے ہیں اور آپ ہر پیشی پر مرتے جاتے ہیں، آپ کی دولت گھٹتی جاتی ہے اور آپ کے وارثین آپ کی کمائی پر عیش کے لئے آگے بڑھتے جاتے ہیں اُدھر آپ کے لئے ''اولڈ ہوم'' کی تیاریاں اور منصوبہ بندیاں شروع ہو چکی ہیں۔ عمر عزیز کے قیمتی اوقات اور جوانی کے قیمتی لمحات کو آپ نے اپنے جن بچوں کی خاطر قربان کر دیا ہے وہی بچے آپ کے پیچھے آپ کو دقیانوس، بڈھا اور کھوسٹ، دماغ چلا ہوا، اسکرو ڈھیلے سے تعبیر کرتے ہیں اور آپ خوش ہیں کہ آپ اپنی نسلوں کے لئے ''شاندار کارنامہ'' انجام دے رہے ہیں۔

یہ دنیا چند روزہ ہے، اس کو عزت سے گزاریں یا ذلت سے، ہنس کر گزاریں یا رو کر، بیٹھ کر گزاریں یا بھاگ کر، لڑ کر گزاریں یا صلح سے، عسرت میں گزاریں یا عشرت میں، اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق گزاریں یا اللہ تعالیٰ کی ناراضی مول لے کر۔ ہر صورت میں ہمیں اُسی ذات کے سامنے پہنچنا ہے، اسی کی عدالت عدالت ہے، اسی کا انصاف انصاف ہے۔

سب سے بڑھ کر ہے عدالت بس خدائے پاک کی

بڑھیئے اس عدالت کی طرف جس میں ذرے ذرے کا حساب ہونا ہے،**فمن یعمل مثقال ذرہ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرہ شرا یرہ۔**

چلئے اس عدالت کی طرف جہاں زبان نہیں ہمارے جسم کا انگ انگ گواہی دے گا،**الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ**۔جہاں وکلاء کی جگہ کرماًکاتبین کھڑے ہوں گے۔**کراما کاتبین یعلمون ما تفعلون**،اور دفترپردفتر،رجسٹرپررجسٹر کھول رہے ہوں گے،اس میں ہماری ایک ایک نیکی اور برائی لکھی ہوگی۔**وَكُلَّ إِنسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِي عُنُقِهِ وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنشُورًا**۔

آیئے!ہم اپنے ان رجسٹروں میں اپنی نیکیاں بڑھاکرجنت میں جانے کے اسباب پیداکریں کیونکہ وہاں وہی کچھ ملے گاجوہم آگے بھیج چکے ہوں گے۔**من یعمل خیرا یلق خیرا۔**

ٹی شرٹ، لوور، ننگے سر اور نمازی

اللہ تبارک و تعالی کی فرض کی ہوئی ہر عبادت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ تمام نوافل اور سنن کی اہمیت اور قدر و منزلت ہمارے دل سے نکلتی جارہی ہے، حالات اتنے خراب ہوگئے ہیں کہ ایک تو ہم نمازیں خوف خدااور حکم خدا کی تعمیل میں نہیں رواروی میں ادا کرنے لگے ہیں، اوقات کی بات کیجئے تو شریعت نے ہر نماز بلکہ ہر عبادت کو وقت کے ساتھ خاص فرما دیا ہے ہم اگر جماعت سے نماز نہ پڑھ سکیں تو دیکھئے کس قدر اس بابت کوتاہیاں ہوتی ہیں، بہت سے لوگ تو ایسے ہیں جو نماز ان ہی کپڑوں میں پڑھ لیتے ہیں جن میں رات گزاری ہے یعنی کوئی اتنی ٹائٹ پینٹ میں نماز پڑھتا ہے کہ سجدے کی حالت میں اس کی شرٹ اوپر اٹھ جاتی ہے اور پینٹ نیچے کھسک جاتی جاتی ہے جس کی وجہ سے پیٹھ کا زیریں حصہ کھل جاتا ہے جس کو ستر میں شمار کیا گیا ہے، ستر کے بارے میں شریعت کی صراحت ہے:

"ناف اور اس کے بالمقابل پیٹ، پیٹھ اور دونوں پہلو اور ان کے اوپر کا حصہ مرد کے حق میں ستر نہیں ہے، البتہ ان کے نیچے کا حصہ ستر میں داخل ہے اور ناف سے لے کر پیڑو تک اور اس کے بالمقابل پیٹ، پیٹھ اور دونوں پہلو سب ملا کر ایک ستر ہیں"

فتاوی دار العلوم میں ہے:

"اگر کسی مرد نمازی کا حالت نماز میں ستر کا چوتھائی حصہ کھل گیا اور تین بار سبحان اللہ کہنے کے بقدر کھلا رہا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی لیکن اگر کسی نمازی کی دوسرے نمازی کے کھلے ہوئے ستر پر نظر پڑ گئی تو اس کی نماز فاسد نہ ہو گی، البتہ بالقصد نظر ڈالنے یا نظر جمائے رکھنے کی صورت میں وہ گنہگار ہو گا اور ستر کھولنے والا بھی گنہ کار ہو گا اور سہواً نظر پڑنے کی صورت میں صرف ستر کھلا رکھنے والا یا اس میں بے احتیاطی کرنے والا گنہ گار ہو گا"

مفتیان دار العلوم نے فتاوی شامی کا حوالہ بھی دیا ہے:

" أعضاء عورة الرجل ثمانية: الثامن ما بين السرة إلى العانة مع ما يحاذي ذلک من الجنبين والظهر والبطن[14]

فالستر ليست من العورة درر[15]،

(14) شامی: ۸۲/۳، ۸۳

(15) حوالہ بالا ص: ۷٦

ویمنع حتی انعقادہا کشف ربع عضو قدر أداء رکن بلا صنعه من عورة غلیظة أو خفیفة علی المعتمد والغلیظة قبل ودبر وما حولهما والخفیفة ما عدا ذلک من الرجل والمرأة(16)

جامعہ بنوریہ کے ارباب فقہ کا فتوی بھی پڑھتے چلئے:

"لباس کے بارے میں مطلوب شرعی کا کم از کم درجہ یہ ہے کہ وہ (لباس) ساتر ہو، یعنی جس حصے کا چھپانا واجب ہے وہ کھلا نہ رہے، نہ ایسا باریک ہو کہ جسم نظر آنے لگے اور نہ اتنا چست ہو کہ بدن کے واجب الستر اعضاء میں سے کسی کی بناوٹ اور حجم نظر آجائے۔ لہٰذا اگر لباس اتنا چست اور تنگ ہو کہ اس سے واجب الستر اعضاء کی بناوٹ اور حجم نظر آتا ہو تو اس کو پہننا، اسے پہن کر نماز پڑھنا، باہر نکلنا، لوگوں کو دکھانا اور دوسروں کا اسے دیکھنا سب ممنوع ہے، البتہ اس طرح کا چست و تنگ لباس جس سے حجم نظر آتا ہو، پہن کر نماز پڑھنا اگرچہ مکروہ ہے، لیکن اگر کسی نے پڑھ لی تو نماز واجب الاعادہ نہ ہوگی، یعنی اسے دُہرانے کا حکم نہیں دیا جائے گا"۔

اسی طرح بعض لوگ لوور پہنے پہنے ہی شریک نماز ہوجاتے ہیں حالانکہ لوور کافی اونچا ہوتا ہے اور مجبوری کے درجہ میں نماز کی اجازت دی جاسکتی ہے لیکن یہاں کوئی مجبوری نہیں ہوتی صرف کاہلی غفلت بے توجہی اور نماز کا عدم احترام ہوتا ہے۔

---

(16) در مختار مع الشامی: ۸۱/۲، ۸۲)

بعض لوگ ٹی شرٹ پہن کر نماز پڑھنے لگتے ہیں کہو تو اہل حدیث کا حوالہ دیتے ہیں یا کسی ایسے مفتی کے ناقص فتوے کا حوالہ دیتے ہیں جس کے فتوے کو بغور سنا بھی نہیں ہوتا ہے تمام ہی احناف علماء کے نزدیک ایسی شرٹ پہننا جس میں بازو کھلے ہوں مکروہ تحریمی ہے اور اس پر سبھی مفتیان کا اتفاق ہے کہ مکروہ تحریمی کو مکروہ تحریمی سمجھ کر مرتکب ہونا ناجائز اور حرام ہو جاتا ہے۔

بہت سے نوجوان تو بغیر ٹوپی کے ہی نماز پڑھنے لگتے ہیں منع کرو تو کہتے ہیں کہ سعودیہ میں بڑی تعداد ننگے سر نماز پڑھتی ہے۔

ارے بھائی ! تم سعودیوں کی مانو گے یا اپنے نبی اور فقہاء کی مانو گے ؟

مفتیان کرام کا کہنا ہے:

"کاہلی، سستی اور لاپرواہی کی بناپر ٹوپی کے بغیر ننگے سر نماز پڑھنا مکروہِ تنزیہی ہے اور اس سے ثواب میں کمی ہوتی ہے"

بعض تو اتنے ڈھیٹ ہیں کہ نماز میں ہی اپنے بالوں کو ہاتھ سے درست کرتے رہتے ہیں، ائمہ حضرات کو یہ باتیں بتانی چاہئیں کہ عمل قلیل اور عمل کثیر کی کیا تعریف ہے، نماز کے کیا آداب ہیں ؟اور کن صورتوں میں نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

قاسمی اور ندوی

سوشل میڈیا پر ہمارا جدید پڑھا لکھا طبقہ ایک نئے فتنے کو جنم دے رہا ہے جو نہیں ہونا چاہئے، ہمارے نزدیک دارالعلوم اور ندوۃ العلماء دونوں ادارے لائق احترام ہیں، دونوں کی زبردست خدمات ہیں، دونوں کے بانیان نہایت ہی عظیم ہیں۔

چنانچہ دارالعلوم دیوبند کے بانی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ہیں تو ندوہ کے بانی حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ ہیں، اپنے اکابر واسلاف میں ردعیسائیت اور خاص کر ختم نبوت کے سلسلہ میں جو خدمت بانی ندوہ حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ کے ذریعہ انجام دی گئی ہے اس کی قدر ہمارے تمام اسلاف نے کی ہے، خود حضرت مولانا محمد علی مونگیری اس عظیم ہستی کے شاگرد رشید ہیں جو مظاہر علوم کے بانیان میں شمار ہوتے ہیں یعنی محشیٔ بخاری حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ۔

حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ کے شاگردوں میں حضرت مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ، حضرت مولانا علامہ شبلی نعمانیؒ، حضرت

مولانا محمد مظہر نانوتویؒ، حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ، حضرت مولانا احمد حسن امروہویؒ وغیرہ اساطین امت شامل ہیں۔ بلکہ حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ کے تلمذ کاذکر مظاہر علوم کی اولین روداد میں ملتاہے حتیٰ کہ مولانا کو امتحان میں کامیابی پر کون کون سی کتابیں مدرسہ کی طرف سے دی گئی تھیں ان کا بھی ذکر موجود ہے۔

اس لئے ندوۃ العلما کو الگ سے کسی فکراور کسی نئے مسلک سے مربوط کرنا غلط ہے،ندوۃ العلماء کے بانیوں میں ایک نام حضرت مولاناسید تجمل حسین بہاریؒ کا بھی ہے انہوں نے بھی حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ سے اصلاحی تعلق قائم کیااوران ہی کے مسترشد ہوئے۔ حضرت مولاناعلامہ سید سلیمان ندویؒ حکیم الامت حصرت تھانویؒ کے اہم ترین مسترداور خلیفہ ہیں۔

یہی نہیں حضرت مولاناسیدابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے باقاعدہ شیخ الاسلام حضرت مولاناسید حسین احمد مدنیؒ سے دیوبند پہنچ کر تفسیر پڑھی ہے، حضرت مولاناشاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے اپنا اصلاحی تعلق قائم کیاہے اوران ہی کے دست حق پرست پر بیعت ہوکر مجاز ہوئے۔

حضرت مولاناسیدابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے نہ صرف حالات لکھے اور لکھوائے بلکہ دونوں کے مکتوبات جو مطبوعہ ہیں ان کو پڑھ

کر محسوس ہوتا ہے کہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کو حضرت شیخ محمد زکریا مہاجر مدنیؒ سے بے پناہ عقیدت و محبت تھی یہی نہیں خود حضرت شیخ کے وہ خطوط جو حضرت مولانا ابوالحسن ندویؒ کے نام موجود ہیں یاآپ بیتی میں ندوہ اور اکابر ندوہ کا ذکر خیر جن بلند و بالا الفاظ میں موجود ہے اس کو پڑھ کر کسی کو یہ اندازہ ہی نہیں ہوتا ہے کہ یہ حضرات کسی دوسرے ادارے کے تعلیم یافتہ تھے۔

سچائی یہ ہے کہ حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ سے لے اب تک ندوہ کا جو تعلق مظاہر علوم اور دارالعلوم سے رہا ہے اس پر بھی اور ندوہ کا جو تعلق دارالعلوم سے رہا ہے اس پر مستقل کتابیں لکھی جاسکتی ہیں، اپنے اکابر کے تعلق اور طرز عمل سے آپ کہیں بھی محسوس نہیں کر پائیں گے کہ کسی نے بھی ایک دوسرے کو غیر سمجھنے کی غلطی کی ہو۔

خود ندوۃ العلماء میں حدیث، تفسیر اور فقہ جیسے اہم ترین مناصب پر دارالعلوم دیوبند کے تعلیم یافتگان موجود رہے ہیں، پھر چاہے حضرت مولانا مفتی برہان الدین سنبھلیؒ ہوں، حضرت مولانا محمد زکریا ہوں یا اور بھی دیگر بہت سے بزرگ اساتذہ یہ سبھی حضرات دارالعلوم دیوبند کے تعلیم یافتہ سند یافتہ اور ندوۃ العلماء کی شان اور جان شمار ہوتے ہیں۔

حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ تو باقاعدہ مظاہر علوم کے فارغ تھے اور حضرت مولانا سید محمد مرتضی بستویؒ کے درسی ساتھی تھے، ایک وہاں عربی کا ادیب رہا تو دوسرے نے تاحیات

وہاں کے عظیم کتب خانے کے بال و پر اور نوک پلک کو سنوارنے میں اپنی عمر عزیز صرف کردی۔خود حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ (رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند) نے بھی مظاہرعلوم میں کچھ تعلیم پائی ہے اوراس کاذکر یہاں مظاہرعلوم وقف میں ایک مرتبہ تشریف آوری کے موقع پر کیا بھی ہے اور یہ بھی فرمایا کہ دار قدیم اور مطبخ کے درمیان میں جو عمارت واقع ہے (دارالتجوید) اس میں میں نے تعلیم حاصل کی ہے۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ، حضرت مولانا سے حضرت مولانا عبدالعلیم فاروقی مدظلہ تک، ناظم ندوہ العلماء حضرت مولانا خلیل الرحمن (متوفی ۱۳۵۴ھ) ابن حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ سے حضرت مولانا عتیق احمد بستوی مدظلہ تک کتنی بڑی تعداد ہے جنھوں نے اپنے خون جگر سے ندوہ کی آبیاری وآب پاشی کی ہے اور کررہے ہیں۔

حضرت مولاناسید محمود حسنی ندویؒ نے دیگر بہت سی کتابوں کے علاوہ حضرت مولانا شیخ محمد زکریامہاجر مدنیؒ، حضرت مولاناابرارالحق حقیؒ ہردوئی، حضرت مولانا شیخ محمد یونس جونپوریؒ، حضرت مولانازبیرالحسن کاندھلویؒ وغیرہ کے حالات زندگی پر تفصیل سے لکھاہے جو ہم سب کے لئے قابل قدر کارنامہ ہے۔

وہ مثبت پر مثبت کام کئے جارہے ہیں، درمیان میں حائل اس چھوٹی سی دیوار کو بھی ختم کردینے کی سعی محمود کئے جارہے ہیں جو غلط فہمیوں کی بنیاد کچھ متشدداساتذہ کے ذریعہ پیدا کردی

گئی اور ہم اسی دیوار پر ردّے رکھنے کی سعی مذموم کر رہے ہیں۔ وہ نشیمن پر نشیمن کی تعمیر کرتے جارہے ہیں تاکہ بجلیاں گرتے گرتے خود ہی بے زار ہو جائیں، انھیں مثبت کام سے فرصت نہیں ہمیں منفی کاموں سے فرصت نہیں۔

میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ کون استاذ ہے اور کون شاگرد میرے کہنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ جب ہمارے اکابر نے امتیاز کی دیوار اور تفوق کا حصار اپنے ارد گرد نہیں کھینچا ہے تو ہمیں کیا حق بنتا ہے کہ ہم ایک نئے فتنے کو جنم دیں۔

اور حال یہ ہے کہ کل قیامت کے دن اس بابت کوئی سوال نہیں ہوگا وہاں تو اعمال کو تولا اور ناپا جائے گا، وہاں تعلیمی لیاقت اور سندات بھی نہیں دیکھی جائیں گی وہاں تو صرف نیکیاں معیار ہوں گی اور افسوس کہ ہم ان چیزوں میں ملوث ہو کر نیکیوں کے لئے جو بہترین وقت میسر تھا اس کو ضائع اور برباد کر کے خود کو ضائع کرنے پر اپنی لیاقت اور صلاحیت صرف کئے دے رہے ہیں۔

ہمیں ہر وقت یہ احساس دامن گیر رہتا ہے

پڑے ہیں ڈھیر سارے کام اور مہلت ذرا سی ہے

ممکن ہے میری ان باتوں سے کسی بھائی کو تکلیف پہنچے لیکن میں کیا کروں؟ میں بالکل نہیں چاہتا کہ اتحاد اور اتفاق کے بہترین موقع کو اختلاف اور افتراق وانشقاق میں ضائع کریں۔

کیا ملے گا اپنی افضیلت کو ثابت کر کے ؟

کیا ہو گا کسی کو اپنے سے کمتر اور حقیر ثابت کر کے ؟س

بھی کو اپنی قبر میں سونا ہے، سبھی کو مٹی میں ملنا ہے، سبھی کو نکیرین کے سوالات کے جوابات دینے ہیں، قبر میں پہنچتے ہی یہ سارا تفوق اور امتیاز ہی ختم ہو جائے گا۔

قبر کے فرشتے ہم سے ہماری ڈگریاں نہیں ہماری ڈگر اور ہمارا عمل دیکھیں گے ، ہم سے جو سوالات ہوں گے ہمیں ان کے جوابات کی تیاری کرنی چاہئے، جاہل اور ان پڑھ فضولیات میں الجھیں تو ان کو مجبور و بے قصور سمجھا جا سکتا ہے کیونکہ وہ تو بے چارے جاہل ہیں۔

لیکن پڑھا لکھا طبقہ جب ان فضولیات میں الجھتا ہے تو نہایت تکلیف ہوتی ہے ،دل روتا ہے ،آنکھیں روتی ہیں کہ جو لوگ اپنی شاندار صلاحیتیں مثبت اور تعمیری کاموں میں صرف کر کے خوشنما انقلاب پیدا کر سکتے ہیں۔

افسوس کہ وہ ہی ایسی لایعنی چیزوں میں الجھ چکے ہیں۔

غلط فہمیوں کو اپنے دل میں بالکل جگہ مت دیجئے کیونکہ یہی غلط فہمی پختہ ہو کر بدگمانی میں تبدیل ہو جاتی ہے اور یہی بدگمانی فاصلوں کو جنم دیتی ہے اور یہی فاصلے مقاطعے اور مجادلوں تک پہنچاتے ہیں اور مجادلے بربادیوں کی شاہ کلید ہوتے ہیں۔

اک غلط فہمی نے دل کاآئینہ دھندلادیا

اک غلط فہمی سے برسوں کی شناسائی گئی

خدارا! زندگی کے سراغ کو تلاش کیجئے، خدا کی رضااور اس کی خوشنودی کے حصول کے لئے خود کو تیار کیجئے! لغواور فضول کاموں کو ترک کردیجئے،امت بہت منتشر ہوچکی ہے اس کومزید کسی نئے انتشار سے دوچار مت کیجئے۔

امت کے فائدے کے لئے کچھ کرسکتے ہیں تواٹھ کھڑے ہوں ورنہ کسی کونے میں خاموشی کے ساتھ بیٹھ جایئے کہ آپ کا یہ بیٹھنا بھی آپ کے لئے ’’’عبادت‘‘ ہے۔

اللہ! تیرے ہاتھ ہے اب آبروئے وقت

دم گھٹ رہاہے وقت کی رفتار دیکھ کر

دینی مدارس: پانی کہاں مر رہا ہے؟

مجھ سے بعض خیر خواہوں، متعلقین اور نادیدہ اہل تعلق تحریری سوال کرتے ہیں کہ میں دینی مدارس کو درپیش چیلنجز اور مشکلات کے تعلق سے کچھ لب کشائی یا گرہ کشائی کروں، آپ خود ہی بتائیں میں کیا کہوں اور کیا نہ کہوں، کون سا علاج تجویز کروں اور کون سا چھوڑ دوں؟ کس درد کا مداوا بیان کروں اور کس کو خوبی تصور کر لوں؟

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

جس رسی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہنے اور تھامے رہنے کی تاکید خود خدائے لم یزل ولا یزال نے فرمائی ہے ہم سے وہ رسی ہی چھوٹ گئی ہے۔۔۔ جس اعتصامِ کتاب کی ہمیں تلقین کی گئی ہم اس میں غافل ہو گئے۔۔۔ جس تقویٰ اور تدین پر ہمیں ڈالا گیا ہم منحرف ہو گئے۔۔۔ جس شریعت کا ہمیں خوگر بنایا گیا ہم جادۂ اعتدال سے ہٹ گئے۔۔۔ جس اسوہ کو حسنہ فرمایا گیا ہم نے اس کی طرف سے غفلت برتی۔۔۔ جس توکل کو ہمیں اختیار کرنا چاہئے تھا ہم سے کوتاہی ہوئی۔۔۔ وہ زمانہ دوسرا تھا جب علامہ اقبال نے کہا تھا:

"ان مکتبوں اور مدرسوں کو یوں ہی رہنے دو"

آج نہ وہ مکتب ہیں، نہ وہ مدارس ہیں، نہ وہ حوصلے ہیں، نہ وہ تقویٰ ہے، نہ وہ سادگی ہے، نہ وہ شفافیت ہے، نہ خوف خدا ہے نہ وہ ذکرالٰہی ہے، نہ وہ دعائیں ہیں نہ مناجات ہے، نہ شب بیداریاں ہیں نہ جگر سوزیاں ہیں، نہ منکرات پر نکیر ہے نہ مرفوعات پر عمل ہے، نہ دین سے عشق ہے نہ مسلک سے محبت ہے۔

ہمارے دینی تعلق کا یہ عالم ہے کہ اگر ہمیں کوئی گالی دیدے تو ہم اس کا گلا دبادیں گے، ہماری طرف کوئی آنکھ اٹھا کر دیکھ لے تو ہم اس کی آنکھ پھوڑدیں گے، ہمیں کوئی طمانچہ ماردے تو ہم اس کا ہاتھ توڑدیں گے، ہمیں کوئی کچھ کہہ دے تو ہم اس کی زبان کھینچ لیں لیکن ہمارے نبی کی شان میں گستاخیاں ہوتی رہتی ہیں، امہات المؤمنین کی شان میں نازیبا کلمات بکے جاتے رہے، صحابہ کرام پر سب و شتم کیا جاتارہا، قرآن کریم پر اعتراضات شروع ہوگئے، ہمارے دین پر انگلیاں اٹھنے لگیں، ہمارے ائمہ کی توہین کی جانے لگی، ہمارے شعائر مقدسہ پر کیچڑ پھینکا جانے لگا، ہمارے نظام زندگی اور ہمارے کردار پر تھوکا جانے لگا اور ہم اتنے سرد مہر، چکنے گھڑے، دیوث، بزدل، ناخواندہ، کندہ ناتراش، مصلحت پسند اور اتنے کھڑوس ہوگئے کہ ہمارے کانوں پر جوں نہیں رینگی، ہماری آنکھیں تر نہیں ہوئیں، ہمارے جسم پر لرزہ طاری نہیں ہوا، ہمارے اندرون میں کوئی اضطرابی کیفیت پیدا نہیں ہوئی۔

کہتے ہیں کہ مدارس دین کے قلعے ہیں، پاور ہاؤس ہیں، عقیدہ و عمل کی چھاؤنیاں ہیں ذرا پیچھے مڑ کر تو دیکھئے کیا ہو رہا ہے؟

مدارس چلانے کے لئے چندے کی ضرورت لابدی ہے چندے کے لئے سفراء اور محصلین کی ضرورت ہے، تحصیل کے لئے اصحاب خیر کی ضرورت ہے۔

تجارت اور صنعت ،زراعت اور ملازمت ہر جگہ کوتاہیوں پر کوتاہیاں ہو رہی ہیں، ملازمین کام چوری کرتے ہیں، انجینئر بد دیانتی کرتے ہیں، تجار و کاشتکار سبھی نے تقویٰ کو خیر باد کہہ دیا ہے، حلال میں حرام مل چکا ہے، بلکہ اب حلال پر حرام کی حکمرانی ہے، حرام کی کل آمدنی میں حلال کی حیثیت ایسے ہی ہے جیسے آٹے میں نمک کی ہوتی ہے۔

سودی کاروبار پر پورا نظام چل رہا ہے، گویا ہمارے سفراء چندہ کے نام پر جو کچھ لا رہے ہیں اس میں حرام کی آمیزش سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے دوسری طرف سفراء کی حالت دیکھئے اگر مدرسہ میں بچے سو ہیں تو تعداد دو سو بتائی جاتی ہے، سالانہ خرچہ ایک لاکھ ہے تو دو لاکھ بتایا جاتا ہے، مدرسین و ملازمین دس ہیں تو اس میں بھی جھوٹ بولا جاتا ہے اور تعداد بڑھا چڑھا کر بتائی جاتی ہے کیونکہ چندہ دینے والوں کو بھی شاید سچ پسند نہیں ہے اس لئے وہ خود مجبور کرتے ہیں کہ جھوٹ بولو، جھوٹ بولو، جھوٹ بولو۔

نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہماری بنیاد ہی جھوٹ پر قائم ہوچکی ہے،آج یہ عام ابتلا ہے، کتابیں، کتابچے، پمفلٹ، رودادیں،اجمالی گوشوارے ہر جگہ یہی عمل کارفرما ہے، کسی بھی ادارے کے پمفلٹ دیکھ لیجئے،اچانک بلااطلاع تصدیق کے لئے پہنچ جایئے سچ اور جھوٹ واضح ہو جائے گا۔

حرام اوراور مشکوک مال کھاکر کون رازی اور غزالی بنا ہے، کون نانوتوی اور تھانوی بنا ہے ؟ریت پر کون سی عمارتیں قائم اور مقیم رہی ہیں، کعبہ کے اندر سے کفرپرورش پارہا ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ سب کچھ اچھا ہے۔

پڑھانے والے حضرات نے تنخواہوں کے لئے پڑھاناشروع کردیا ہے، توکل کہاں ہے مجھے نہیں معلوم؟ درسگاہوں میں وقت پر حاضری خوف خداکی وجہ سے نہیں کٹوتی مشاہرہ کی وجہ سے ہورہی ہے یعنی ہماری نیت میں فتور پیداہوچکا ہے۔

طلبہ کو دیکھئے گھر والے زکوۃ دے رہے ہیں اوران کا بچہ یہاں مدرسہ میں زکوۃ کھا رہا ہے، جیب میں مہنگاموبائل ہے، اے ٹی ایم ہے، فون پے اور پے ٹی ایم کی سہولت ہے، اب توآدھار کارڈ سے ہی بینک سے پیسے نکالنے کی آسانی ہے۔

پھر بھی امیر طالب علم مال کا میل کھاکر خوش ہے کہ وہ دینی تعلیم حاصل کررہا ہے، اگرپتہ چل جائے کہ آج درسگاہ میں حاضری ہوگی توتمام درگاہیں طلبہ سے کھچاکھچ بھرجاتی ہیں کیوں؟تاکہ کھانانہ بند ہوجائے،اخراج نہ ہوجائے۔

تعلیم میں محنت اور دلچسپی روزگار کے لئے نہیں اللہ تعالیٰ کے دین اور شریعت کی ترویج پیش نظر رہنی چاہیئے روزی تو اللہ تعالیٰ دیتا ہی ہے اس کا ذمہ اسی نے لیا ہوا ہے وہ ہر ایک کو روزی دیتا ہے، اٹھارہ ہزار مخلوق میں صرف انسان کماتا ہے باقی تمام کو رزق کون دیتا ہے؟

دینی مدارس کے حالیہ سروے کی بات آئی تو بے چینی پیدا ہوگئی حالانکہ یہ بے چینی تب پیدا ہونی چاہیئے تھی جب فتنہ نے سر ابھارنے کی پہلی بار کوشش کی تھی، شریعت میں مداخلت ہوتی رہی، مدارس پر قدغن لگتی رہی، عبادت گاہوں پر پابندیاں لگتی رہیں، عقائد پر شب خون مارا جاتا رہا، آزادی کے بعد سے ہی ایسے ایسے قانون بنتے اور نافذ ہوتے رہے جن کا مقصد اور ہدف صرف اور صرف دین اور مسلمان تھے۔

اور اب جب ہماری طاقتوں کا کفر نے خوب اندازہ کرلیا، ہمارے ایمان کو خوب پرکھ لیا، ہماری غیرت کو خوب جانچ لیا، ہماری بزدلی کا پورا یقین ہوگیا تو اب وہ جو کچھ بھی کرے کرنے کا حوصلہ بھی ہے اور نفاذ کی قوت بھی۔

کل قیامت کے دن مجرموں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یعرف المجرمین بسیمٰھم فیؤخذ بالنواصی والأقدام۔ مجرم لوگ اپنے چہرے کے نشانات سے پہچانے جائیں گے پس پیشانی کے بالوں اور پاؤں سے پکڑے جائیں گے۔

یہ دھڑ پکڑ توکل قیامت کی ہے دنیا بھی ایک امتحان گاہ ہے، دار لامتحان میں رہ کر بھی جب ہم جرم پر جرم کررہے ہیں حال یہ ہے کہ ہمیں پتہ ہے کہ ہم اُس لائن اور قطار میں کھڑے ہیں جو رفتہ رفتہ حساب اور کتاب کی طرف بڑھ رہی ہے اور ہم اِس قطار سے باہر جا نہیں سکتے ،بھاگ نہیں سکتے۔

بے شک جن لوگوں نے جرم نہیں کیاہے ان کے قدم جج کے سامنے کانپتے نہیں ہیں، لڑکھڑاتے نہیں، ان کی نظریں احساس جرم کاشتکار نہیں ہوتیں، ان کی نظریں جھکتی نہیں ہیں، ان کا سینہ تنارہتاہے اور جن لوگوں کے دامن داغ دار ہوتے ہیں، جن کے حساب کتاب میں کمی ہوتی ہے، جنہوں نے جرم کاارتکاب کیاہوتاہے، جن کے اعمال نامے میں سیاہیاں ہی سیاہیاں ہوتی ہیں تو وہ کانپتے بھی ہیں، خوف زدہ بھی ہوتے ہیں، لرزتے بھی ہیں اور ان کی زبان لڑکھڑاتی بھی ہے۔ شیخ سعدی نے کیاخوب کہاہے:

"آں راکہ حساب پاک است از محاسبہ چہ باک است"

"جن لوگوں کاحساب وکتاب صاف وشفاف ہوتاہے انھیں محاسبہ کاکوئی خوف وخطر نہیں ہوا کرتا"

تالاب کی ساری ہی مچھلیاں خراب نہیں ہوتی ہیں لیکن بدنام سبھی ہو جاتی ہیں، سارے ہی مدارس کا یہ حال نہیں ہے کچھ ہی مدارس ہیں جنھوں نے گڑبڑی پیدا کرر کھی ہے لیکن جھیلنا سبھی کو پڑ رہا ہے۔

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصۂ محشر میں ہے

پیش کر غافل، عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

حکمراں ہمارے اعمال کا عکس اور پر تو ہوتے ہیں ہم خود کو تو کچھ نہیں کہتے اور حکمرانوں پر انگلی اٹھانے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتے۔

ابھی تو سروے شروع ہوا ہے، آگے کیا ہوتا ہے ہمیں خبر نہیں البتہ اتنا ضرور ہے کہ یہاں کی رسوائی وہاں کی رسوائی سے بہت کم ہے۔

خدارا! اپنی زندگی کے ہر حصہ میں دین کو لازم اور لازب کر لیجئے۔

مکتب، اساتذہ اور معصوم بچے

مجھے یہ بات بالکل سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ میرے والد ماجد ہر سال نئے اور اعلیٰ بیج کی تلاش میں کیوں سر گرداں ہو جاتے ہیں، کیا وہ بیج جس کے ذریعہ پچھلے سال فصل تیار ہوئی تھی اسی اناج کو بطور بیج استعمال نہیں کیا جاسکتا، والد صاحب نے مجھے کبھی سمجھانے کی بھی کوشش نہیں کی کیونکہ انھیں ہماری لیاقت اور ہماری حالت کا بخوبی علم تھا وہ جانتے تھے کہ جس کو اپنے کھیت اور کھلیان کا علم نہ ہو، جس کو موسمی فصلوں کی واقفیت نہ ہو، جس کو چیزوں کی صحیح طور پر شناخت اور پہچان نہ ہو، جس کو مکئی اور چری میں امتیاز نہ ہو اس کو ایسے راز ہائے سربستہ بتانے اور سمجھانے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔اب جا کر پتہ چل سکا کہ بیج کی اپنی ایک اہمیت ہوتی ہے، بیج کی تیاریوں میں بہت سے دماغ لگتے ہیں، بیج کو بے شمار مراحل سے گزرنا پڑتا ہے، مختلف موسموں میں اس بیج پر ریسرچ اور جانچ پڑتال کرکے اس کے مفید اور غیر مفید اثرات اور ثمرات سے آگہی حاصل کی جاتی ہے تب کہیں جا کر وہ بیج مارکیٹ اور بازار میں بھیجا جاتا ہے اور وہی بیج کسان جب اپنی زراعت میں استعمال کرتا ہے تو زمین، موسم، حالات اور بارش و پانی کے اتفاقات سے جو فصل تیار ہوتی ہے وہ نہایت عمدہ ہوتی ہے۔مجھے اب سمجھ میں آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے شادی بیاہ کے بارے میں ابتدائی حکم کیوں لگایا کہ تم ایسی عورتوں سے نکاح کروجو زیادہ بچے جننے والی ہوں، مجھے اب اندازہ ہوسکا کہ طلبہ کی تعلیم وتربیت کے لئے کیوں تعلیم یافتہ کے ساتھ کیوں تربیت یافتہ استاذ کا ہونا ضروری ہے۔

شیخ سعدی شیرازیؒ بڑے کامل انسان تھے کیونکہ ان کو حضرت مولانا روم جیسا مرد کامل مل گیا تھا، حکیم الامت حضرت تھانویؒ ہی کو لے لیجئے حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا شیخ الہنداور حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ جیسے اکابر واساطین کے سامنے زانوے تلمذ تہہ کرنے کے نتیجہ میں حکیم الامت حکیم الامت ہو گئے تھے۔

حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ اس لئے اتنے عظیم محدث بنے کہ انھیں بخاری شریف کے محشی حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ جیسے اہل علم ونظر ملے تھے، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ اس لئے ریحانۃ الہند بن کر مہکے اور چمکے کیونکہ انھیں حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ کی تربیت اور تعلیم کا بہترین حصہ اور موقع نصیب ہوا تھا۔ پتہ یہ چلا کہ جب کھیت بھی اچھا ہو، بیج بھی اچھا ہو، ماحول اور موسم بھی موافق ہو تو پھر جو فصل تیار ہوتی ہے وہ لاجواب ہوتی ہے۔

مکتب میں پڑھانے والے اساتذہ کا انتخاب بالکل اسی طرح ہونا چاہئے جس طرح بخاری شریف پڑھانے والے کا ہوتا ہے، مکتب کا معلم اگر اس کو اردو پر عبور نہ ہو، تصحیح قرآن کا ہنر نہ آتا ہو، تلفظ غلط ہو، تحریر خراب ہو، تقریر نہ آتی ہو، انشاء سے واقفیت نہ ہو، املا درست نہ ہو، اخلاق اچھے نہ ہوں، اخلاص اس کے اندر نہ ہو، ہمدردی اور رفق سے محروم ہو، خوددار اور غیور نہ ہو، حریص اور تملق پسند ہو، تمام طلبہ کو ایک آنکھ سے نہ دیکھتا ہو تو ایسا استاذ مکتب کے طلبہ کو ہر گز ہر گز صحیح تعلیم نہیں دے سکتا ہے۔

ہوتا یہ ہے کہ ہمارے بیج اور ہماری جڑ کو شروع ہی سے خراب موسم کے حوالے کر دیا گیا، پانی کی جب ضرورت تھی تب محروم رکھا گیا اور جب ضرورت نہیں تھی جب پانی کی ریل پیل کر دی گئی، تربیت کا جو موسم تھا اس میں بے اعتنائی برتی گئی اور جب وقت نکل گیا تو پیار چھلک آیا، جب شفقت کی ضرورت تھی تب غصہ اور ڈنڈوں سے ان کی پیٹھ لال کر دی گئی اور جب بچے نے تعلیم کو تین طلاق دیدی تو اب قصوروار بچے کو گردانا گیا، جب مفردات پر دھیان دینا چاہئے تھا تب مرکبات میں لگا دیا گیا، جب پہاڑوں اور گنتیوں پر محنت کا وقت تھا تب دیگر امور میں الجھائے رکھا اور جب ان کی عمر میں پختگی آگئی تب ہوش آیا یہ صرف مثالیں ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ آپ کے مکتب میں اردو پڑھانے والا استاذ مولوی اسمٰعیل کے اردو قاعدے محنت سے پڑھاتا ہو، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان قاعدوں میں موجود مشکل الفاظ کے تلفظ پر بھرپور توجہ دیتا ہو، ہو سکتا ہے کہ دینی تعلیم کا رسالہ، اردو زبان کی پہلی کتاب کا سلسلہ، چمن اردو وغیرہ مکتب

میں پڑھایا جاتا ہو لیکن کیا کبھی دھیان دیا گیا کہ اسی مکتب کا بچہ جب اگلی جماعتوں اور درجوں میں پہنچتا ہے تو وہاں فیل اور نکما کیوں ہو جاتا ہے کچھ تو ہے جو اس کمی کا باعث ہے۔

ہم سمجھتے ہیں پڑھائی ہوئی باتیں نہ کرو

طفل مکتب ہو تم اے جاں ابھی استاد ہیں ہم

ہمارے مکاتب میں عموماً بچوں پر رعب جھاڑا جاتا ہے، تپائی پر ڈنڈا مار مار کر بچوں کو ہراساں کر دیا جاتا ہے، بداخلاقی، سرد مہری، غصہ اور تیزی و تندی ختم نہیں ہوتی یہاں تک کہ مدرسہ اور مکتب کا وقت ہی ختم ہو جاتا ہے۔ایسی صورت میں بچہ مکتب جاتے وقت رونے لگتا ہے،اسے ڈنڈے کی آواز پریشان کرتی ہے،اس کو استاذ کی ڈانٹ ڈپٹ ادھ موا کر دیتی ہے،بچے کے جسم پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے۔لائن بدل لیتی ہے، سمجھنے کے بجائے الفاظ اور حروف کو رٹنے پر اکتفا کرتی ہے،استاذ اتنا ٹھپ ہوتا ہے کہ وہ یاد کر لینے کو ہی کافی سمجھتا ہے کبھی کوشش نہیں کرتا کہ بچے نے اپنے دماغ اور ذہن کے زور سے جو کچھ سنایا ہے وہ سمجھا بھی ہے یا نہیں۔ذہن الگ چیز ہے، فہم الگ چیز ہے،ذہن کے بعد کا مرحلہ فہم کا آتا ہے جس سے استاذ اور طالب علم دونوں محروم ہیں ایسی صورت میں ہمارا یہ بیج کیسا تیار ہوگا اندازہ کر سکتے ہیں۔میر محمدی بیدار کے بقول:

مکتب میں تجھے دیکھ کسے ہوش سبق ہے

ہر طفل کے یاں اشک سے آلودہ ورق ہے

مہتمم صاحبان کو ان کلاسوں میں جانے کی نوبت نہیں آتی، کسی بچے کو بلا کر اس سے ان کے درجہ کی بابت پوچھ تاچھ کرنے کی توفیق نہیں ملتی، والدین تو خیر بالکل ہی مجرم ہیں جنھیں کبھی اپنے بچے کے مکتب میں جاکر تعلیمی احوال کو دیکھنے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ والدین سمجھتے ہیں کہ بچہ وقت پر مکتب جاتا ہے اِس کا مطلب ہے سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے اور استاذ یہ سمجھتا ہے کہ مجھے جتنی قلیل تنخواہ ملتی ہے اس کے حساب سے میری محنت کافی ہے، اسی سمجھا سمجھی میں جو ناسمجھی صادر ہوتی ہے اس کا خمیازہ ہماری نسل کو برداشت کرنا پڑتا ہے ، ہماری پوری نسل اسی رویہ کی نذر ہو جاتی ہے اور ان کی اس محرومی پر کوئی بھی آنسو بہانے والا نہیں ہے۔ بقول جینا قریشی

ابھی طفل مکتب ہوں اور نااہل بھی

کدھر لے چلے امتحانوں کی جانب

جب پانی سر سے اونچا ہو جاتا ہے تب کچھ لوگ استاذ کو قصوروار گردانتے ہیں، کچھ مکتب اور مدرسہ کے نظام کو ناقص بتاتے ہیں، کچھ نصاب پر انگلی اٹھاتے ہیں اور کچھ پورے سسٹم اور نظام کو لعنت ملامت کرتے دیکھے گئے ہیں۔

حصرت شیخ سعدی نے ایک شعر بہت پیارا ارشاد فرمایا ہے:

خشت اول چوں نہد معمار کج

تا ثریا می رود دیوار کج

جب پہلی ہی اینٹ ٹیڑھی رکھ دی جائے گی تو آسمان تک دیوار ٹیڑھی ہی جائے گی۔

معزز اساتذۂ کرام! آپ کو تنخواہ کتنی ملتی ہے کتنی نہیں یہ آپ کے ذاتی معاملات ہیں ، قلت تنخواہ کا اثر بچوں کی تعلیم اور تربیت پر ہر گز نہیں پڑنا چاہئے مثال کے طور پر اگر تنخواہ قلیل ہو تو کوئی امام چار رکعت کی جگہ دو رکعت نہیں پڑھا سکتا، رقم کم ہو تو کوئی حاجی جدہ یا ممبئی سے ہی واپس نہیں آسکتا، بالکل اسی طرح جب آپ نے بچوں کی تعلیم و تربیت پر اپنی رضا مندی اور آماد گی متہم کے سامنے ظاہر کر دی ہے تو اب آپ کام چوری کریں گے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں ماخوذ ہوں گے کیونکہ یہ بھی امانت میں خیانت کے زمرے میں آتا ہے۔ کل کو اللہ تعالیٰ کے یہاں کام چوری کی بابت ضرور پوچھ ہو گی اور ہم سے وہاں کوئی جواب نہیں بن پڑے گا۔ الطاف احمد اعظمی خوب یاد آئے:

طفل مکتب کی نظر بھی کیا نظر

عقل تیری رہبری کو کیا کہیں

ارتداد کی دستک

2013 میں مظفر نگر فساد زدگان کو ریلیف پہنچانے کے لئے مدرسہ مظاہر علوم (وقف) کی طرف سے بار بار جانا ہوا، بہت سے تجربات میں سے ایک تجربہ یہ بھی ہوا کہ مسلم قوم جگہ جگہ صرف نام کی وجہ سے ماری جارہی ہے، اسلامی کام اور عمل تو سرے سے دکھا ہی نہیں، برا نہ مانیں بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ملی جن کے نام کفریہ اور شرکیہ ہیں، بہت سوں کو اپنے مسلمان ہونے کا صرف پتہ ہے باقی انھیں اسلام کے تعلق سے کچھ بھی معلوم نہیں ہے حتیٰ کہ کلمہ طیب بھی یاد نہیں ہے۔

کیرانہ کے پاس منصورہ نامی علاقہ میں واقع ایک کیمپ میں جانا ہوا، سامان کی تقسیم کے دوران ایک بندے سے میں نے پوچھ لیا کہ تم کس کی امت میں ہو؟ اس نے جو جواب دیا اس جواب کو سن کر سنجیدہ افراد تو رو ہی پڑیں گے اس نے اپنے نبی کا نام نہیں لیا بلکہ اپنے گرام پردھان کا نام لیا اور بولا کہ میں تو پردھان جی کی امت میں ہوں۔

بے شمار گاؤں فساد کی لپیٹ میں آئے تھے، پچاس ہزار افراد نے نقل مکانی کی تھی، ممکن ہے میں نے جس بندے سے پوچھا تھا اس کے علاوہ دیگر لوگوں کو اپنی امت اور نبی کا نام معلوم ہو یہی سوچ کر کئی لوگوں سے صرف یہی پوچھا لیکن کسی نے بھی صحیح جواب نہیں دیا۔

مظفر نگر ایسے علاقہ میں واقع نہیں ہے جہاں مسلمان کم ہوں یا نہ ہوں الحمد اللہ مسلم اکثریتی اضلاع میں اس کا بھی نام آتا ہے، یہاں بھی خوب مدارس ہیں، مساجد ہیں، کئی جگہ خانقاہی نظام ہے، تبلیغی جماعت کے وفود بھی آتے ہیں لیکن خدا جانے ان تمام کوششوں کے باوجود روشنی ان گھروں تک کیوں نہیں پہنچی اور جن گھروں کے بڑوں کا یہ حال ہے وہاں کے بچوں کا کیا حال ہوا۔

دار العلوم، مظاہر علوم، خانقاہ کاندھلہ، خانقاہ تھانہ بھون، خانقاہ دیوبند، خانقاہ سہارنپور، خانقاہ گڑھی دولت، خانقاہ رائے پور سبھی اسی علاقہ میں ہیں۔علوم و عرفان کی ان کہکشاؤں کے باوجود جب لوگوں کی دینی لاعلمی کا یہ حال ہے تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان علاقوں کا کیا عالم ہوگا جہاں کئی کئی کلو میٹر کے فاصلہ پر ایک آدھ عالم ہے وہ بھی اپنے روزگار سے تنگ دنیا سے جنگ لڑ رہا ہے، جس کے پاس کوئی مدرسہ نہیں بلکہ اپنی سائیکل پر کپڑوں کی گٹھری ہے، وہ علماء کسی کام کے نہیں رہ پاتے جن کا مشغلہ تعلیم و تعلم نہ ہو، ان کا علم دنیوی مشاغل کی وجہ سے زنگوں کی نذر ہو جاتا ہے، ان کے پاس چھٹی ہی چھٹی ہوتی ہے اسی لئے سبق یاد نہیں رہتا ہے۔ وہ صرف نام کے ساتھ مولانا لکھتے ہیں حالانکہ وہ ''مولانائیت'' سے کوسوں دور ہو چکے ہیں۔ان

کو شدائد اور مصائب نے، روگار اور معاش نے دین سے تو قریب رکھا ہے لیکن علم سے محروم کر دیا ہے۔اس محرومی کا ایک سبب نہیں بے شمار اسباب بیان کر سکتا ہوں لیکن یہ میرا موضوع نہیں ہے۔

گفتگو ہو رہی ہے دین کی بنیادی سے باتوں سے لاعلمی کی، کل ہی نماز مغرب کے بعد ایک صاحب کہنے لگے کہ پورے بھارت میں مسلمان بیس فیصد ہیں لیکن جیلوں میں اسی فیصد ہیں،ان اسی فیصد کو دینی باتیں بتانے والے لوگ میسر نہیں ہیں،آرایس ایس کے افراد وہاں پہنچتے ہیں اور اپنے حساب سے ان کی ذہن سازی کرتے ہیں،دیگر ادیان و مذاہب کے افراد بھی پہنچ رہے ہیں کیونکہ حکومت بھی چاہتی ہے کہ بگڑے لوگ راہ راست پر آجائیں لیکن وہاں اگر نہیں جاتا تو علماء نہیں جاتے،دعوتی وفود نہیں جاتے،اصلاح معاشرے کے بندے اور کارندے نہیں جاتے، جیلوں میں قید بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جن کی رہائی کے فیصلے ہو چکے ہیں، کورٹ نے انھیں مطالعہ پورا کر کے جانے کی اجازت دے دی ہے لیکن ان غریبوں کے پاس اتنے بھی پیسے نہیں ہیں کہ وہ کورٹ کا مطالبہ پورا کر سکیں،اسی غربت اور تہی دستی کی وجہ سے ہر ضلع کی جیلوں میں آپ کو ایسے بے شمار افراد مل جائیں گے۔

کہاں ہیں اصلاح معاشرہ کی تنظیمیں، کہاں ہیں رفاہی جمعتیں، کہاں ہیں وہ رؤساء اور دولت مند جو ذرا ذرا سی بات پر اپنی تجوریوں کے دہانے کھول دیتے ہیں ؟ کہاں ہیں علمائے کرام جو دن رات قیدیوں کی ضمانت اور رہائی کے فضائل بیان کرتے نہیں تھکتے، کیا کبھی ان تک پہنچنے

کی توفیق ہوئی، کیا کبھی ان کے درد کو ان کی زبان سے سننے کا اتفاق ہوا؟ وہ عورتیں جو مدت سے جیلوں میں بند ہیں کیا آپ نے ان کی تکلیفیں سنی ہیں، مجرم جرم کرکے جیل جاتا ہے لیکن جیلوں میں سارے مجرم، مجرم نہیں ہوتے، بہت سے مجرم "مہمان" کی حیثیت رکھتے ہیں، ان کے لئے وہاں بھی وہی آسائشیں اور آرائشیں ہوتی ہیں جو ان کے گھروں میں میسر ہیں، بدنام زمانہ غنڈوں کے ساتھ معاملہ الگ ہوتا ہے، امیروں کے ساتھ معاملہ الگ ہوتا ہے، غریبوں کے ساتھ معاملہ الگ ہوتا ہے، بہت سے مجرم جیلوں میں زبردست کمائی کرتے ہیں گویا جیلیں ان کے لئے بہترین کاروبار اور روزگار ثابت ہوتی ہیں۔ باقی مجرموں کے گھر اور کھیت وکھلیان ان کی رہائی کے چکر میں فروخت ہو جاتے ہیں۔

دینی تعلیم اور تعلم میں مصروف حضرات اگر ہفتہ واری نظام بنالیں کہ وہ تھوڑی دیر ان لوگوں کے ساتھ گزاریں گے جو جیلوں میں دین سے، دینی تعلیم سے، انسانیت سے اور تقریباً ہر چیز سے محروم ہیں تو ان کے اندر بھی دینی روح پھونکی جاسکتی ہے، وہ بھی انسان ہیں انھیں بھی توبہ کی توفیق مل سکتی ہے۔ نمازیں، روزے اور عبادات کا موقع وہاں بھی ملتا ہے لیکن افسوس کہ ان تک کوئی داعی نہیں پہنچتا، کوئی مبلغ نہیں پہنچتا، کوئی مقرر اور کوئی دردمند نہیں پہنچتا۔

پہنچتے ہیں تو r-s-s کے نمائندے۔

پہنچتے ہیں تو عیسائی مشنری کے اہلکار۔

چلو کہ ہم بھی زمانے کے ساتھ چلتے ہیں

دھوپ کی وجہ سے زمین تپ رہی تھی، لگتا تھا زمین کو ہی تپ ہوگیا ہے، سہارنپور ریلوے اسٹیشن پر ریزرویشن ٹکٹ بنوانے کے لئے فارم کی خانہ پری کررہا تھا، مجھ سے قریب ہی ایک غیر مسلم نوجوان بھی فارم بھر رہا تھا، مدرسہ کا ایک طالب خالی فارم کی خانہ پری کے لئے کسی انگریزی سے واقف کار کی تلاش میں تھا، طالب علم اس نوجوان کے قریب پہنچا اور گویا ہوا کہ میرا فارم بھی بھر دیجئے، اس نوجوان نے ایک نگاہ غلط انداز اس طالب علم پر ڈالی اور زہریلے لہجے میں بولا ''اردو یا عربی میں بھرلو'' اس کے لہجے کی کاٹ، لفظوں میں چھپا تمسخر اور زمانے کے ساتھ نہ چلنے کا استہزا سب کچھ اس کے اِن جملوں میں چھپا ہوا تھا۔ میں خود اس کے اس انداز پر چیں بہ جبیں ہوکر رہ گیا کہ کتنی صحیح اور کتنی غلط بات کہہ دی ہے۔ مجھے اعتراض کا کوئی حق نہیں تھا، کسی کے لہجہ کو ناپنے کا آلہ ایجاد بھی نہیں ہوا تاہم میں کافی دیر اس طالب علم کی حالت اور کیفیت پر کبیدہ رہا، اس کو فارم میں مطلوب زبان کی لاعلمی نے سر بازار رسوا کردیا تھا، یہ رسوائی ایسی تھی جو اس کے ہی نہیں میرے تن بدن میں آگ لگاگئی تھی۔ مگر افسوس کے سوا ہم کر بھی کیا سکتے تھے۔

ہم چاہ کر بھی اپنی نسل کواس لائق بنانے کے قابل نہیں ہیں کیونکہ ہمارے پاس نہ اختیارات ہیں،نہ اسباب اور وسائل ہیں نہ قوم ہماری سنے گی، قوم کے درمیان موجود قواموں کے کانوں پر جوں نہیں رینگتی کیونکہ انھیں نہ فارم بھرنے کی ضرورت ہے،نہ ریلوے اڈوں پر لائن لگانے کی ضرورت ہے،نہ ہوائی اورزمینی اسفارمیں کچھ لکھنے کی ضرورت ہے انھیں توہر جگہ کارکن اورکارندے فراہم ہیں وہ اپنے تعیش کے باعث بھول چکے ہیں کہ دنیاآج کس دوراہے پر کھڑی ہے، بھول چکے ہیں کہ ایک بڑی تعداد مطلوبہ ٹرین،پلین اوربس کے پہلو میں میں کھڑی ہوکرخوارہورہی ہے، اپنی لاعلمی کی وجہ سے اپنی سواری پرسوار نہیں ہوپارہی ہے۔انھیں علم ہی نہیں ہے کہ ان کوان کی منزل تک پہنچانے والی بسیں ان کے پہلو سے مسلسل گزررہی ہیں۔ہائے جہالت !ہائے مجبوری!!

درس نظامی کا فارغ ہر شخص خودکو عالم سمجھتاہے لیکن خوداپنے قلم سے اپنے پاسپورٹ کے فارم کی خانہ پری کرتے وقت خودکے اَن پڑھ اور جاہل ہونے کا تحریری اقرار بھی کررہاہے۔دس پندرہ سال پڑھنے کے باوجودجب ہم اپنے آپ کو" جاہل اوران پڑھ "ہونے کااعتراف کرتےہیں تو سرندامت اورشرمندگی سے جھک جاتاہے۔

جس زمانے میں درس نظامی مرتب اور مدون ہوا،جوان ہوا،عروج وارتقانصیب ہوا وہ دور بھی کیادور تھا،چارسو علما تھے،اہل علم تھے،ہرسو دینی تعلیم کاشہرہ اورفارسی وعربی کاچرچا تھا،فارسی اورعربی کی حالت اُس دورمیں بالکل ایسی تھی جیسی آج کے دور میں بھارت میں ہندی

اور انگریزی کی ہے، پرانے زمانے کے غیر مسلموں کی بڑی تعداد کو میں نے دیکھا ہے جو اردو اور فارسی پر بہترین قدرت رکھتے تھے کیونکہ انہوں نے اپنے بچپن میں مروج زندہ زبان حاصل کرلی تھی، بہت سے غیر مسلم توقرآن کریم بھی پڑھ لیتے تھے کیونکہ اس زمانے میں پڑھنے والے ،پڑھانے والے، پپڑھوانے والے سب پر حکومت کی چھاپ تھی اور حکمراں ہم تھے۔لوگ عموماً لباس اور نشست و برخاست وغیرہ کے آداب میں اپنے بادشاہان،امرا اور سلاطین کے طور طریقوں کی پیروی اور اقتدا کرتے ہیں الناس علی دین ملوکہم کا یہی مفہوم ہے، سو جب ہمارا طوطی بولتا تھا تو ہمارا نظام تعلیم اور سکہ رائج تھا،آج اُن کا دور ہے تواُن کا نظام اور سکہ رائج ہے۔

ہماری آٹھ سو سالہ حکومت کے باوجود نہ ہندی ختم ہوئی،نہ ہندو ختم ہوا،نہ ہندی تہذیب ختم ہوئی سب کچھ محفوظ رہا ہے تو پھر ہمیں بھی زمانے کے ساتھ چلنا بھی ہوگا اور اپنی تہذیب و تعلیم کو بھی سینے سے لگانا ہوگا،ابھی توان کی حکومت پر ایک صدی بھی نہیں گزری ہے اور حالات اتنے خراب ہوگئے ہیں کہ ارتداد ہماری قوم کے گھروں تک نہیں گلوں تک پہنچ چکا ہے۔ہر گھر میں ارتداد یوٹیوب کے ذریعہ، خبروں اور اشتہارات کے ذریعہ،ٹی وی اور نشریات کے ذریعہ تیزی کے ساتھ ایکسپورٹ ہو رہا ہے اور ہم غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

اس وقت ہمیں کئی جہتوں پر کام کی ضرورت ہے اور حال یہ ہے کہ ہم اپنی صلاحیتوں کو فضولیات میں صرف کر رہے ہیں، ہماری قوم کھانے کی طالب ہے اور ہم اسے پانی پیش کر رہے ہیں، ہماری قوم کا معدہ خالی ہے اور ہم اسے کتابیں تھما رہے ہیں، ہماری قوم کو سردی لگ

رہی ہے اور ہم اسے دستی پنکھے تھمارہے ہیں، ہماری قوم کو بخار ہے اور ہم اسے نزلینا دے رہے ہیں۔اندازہ کریں عیدالفطر کے دن عیدالاضحی کا خطبہ پڑھنے والا،شب برأت میں شب قدر کے فضائل بیان کرنے والا،یوم عاشور میں قربانی کے مسائل بتانے والا عالم اور علامہ بلکہ فہامہ اپنی قوم کے لئے کس قدر مفید اور سود مند ثابت ہو سکتا ہے۔

آج جس کو بھی ہندی اور انگریزی کی شدبد ہے وہ پورے ملک میں کہیں بھی آنے جانے میں تامل اور تکلف نہیں کرتا اور جس کو کچھ بھی علم نہیں ہے وہ ہر اسٹیشن، ہر ہوائی اڈے اور ہر قدم پر رسوا اور ذلیل ہو رہا ہے۔

ہمیں اپنی نسل کی رسوائی قبول ہے لیکن یہ ہم قطعی برداشت نہیں کریں گے کہ کوئی ہم سے یہ کہے کہ بھائی آپ اپنے بچوں کو کم از کم اتنی عصری تعلیم تو دلوادیں کہ یہ ٹرین کے بغل میں کھڑے ہو کر ٹرین کا انتظار تو نہ کرے۔

ہمارا بچہ اگر ان کے کالجوں میں داخل ہو جائے تو ایمان سے محروم اور اپنے مدارس میں داخل ہو جائے تو عصری تعلیم سے محروم، کیا یہ ''محرومیت'' ختم نہیں کی جاسکتی ہے اور کیا اللہ اور اس کے رسول نے کسی بھی زندہ زبان کو سیکھنے سے منع فرمایا ہے؟

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان مفتاحی مدظلہ نے خوب لکھا ہے:

''آپ اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو سب کچھ بنائیے،ڈاکٹر، انجینئر، سائنس داں، تاریخ داں، جغرافیہ داں، ریاضی داں، اور مسلمان کو ان سب علوم وفنون کی ضرورت بھی ہے، مگر اس کے ساتھ آپ پر لازم وضروری ہے کہ اپنے آپ کو اور اپنے بچوں کو خدا پرست بنائیے، نبی کا غلام اور سنت کا عاشق بنائیے، دین کا خادم اور داعی بنائیے اور آخرت کا متمنی وطالب بنائیے، وہ صرف نام کے مسلمان نہیں بلکہ نظر وفکر کے لحاظ سے بھی، عمل وکردار سے بھی، صورت وشکل سے بھی، سیرت وحقیقت کے اعتبار سے بھی، ہر لحاظ سے مسلمان ہوں''۔

درس نظامی کوئی آسمانی نظام اور وحی کے ذریعہ نازل شدہ کلام نہیں ہے کہ اس میں ضرورت کی چیزیں داخل وشامل نہ کی جائیں، ہم اپنی مرضی سے درس نظامی سے مشکل ترین کتابیں نکال تو سکتے ہیں لیکن ضرورت کی بنیادی چیزیں داخل نہیں کر سکتے آخر کیوں؟

دم توڑتی پرانی قدریں

جیسے جیسے نئے زمانے اور نئے افق کی یافت اور دریافت ہوتی جارہی ہے، پرانی روایات اور پرانی قدریں پامال ہوتی جارہی ہیں، پہلے زمانے میں گھروں کے باہر ایک چوپال ہوا کرتی تھی، اس چوپال میں کچھ چارپائیاں، میزیں تپائیاں اور کرسیاں وغیرہ رکھی رہتی تھیں۔

ایک خاص وقت میں ملنے والے آتے تھے، ملاقات وضیافت ہوتی تھی، حالات حاضرہ اور پرانے قصے کہانیاں بیان ہوتی تھیں، بڑے بوڑھے اپنے چھوٹوں کو پرانی قدریں بتاتے تھے ، ہر انسان کی اچھائیاں اور برائیاں زیر بحث آتی تھیں، بڑے اپنے چھوٹوں کا اور چھوٹے اپنے بڑوں کا خوب اکرام واحترام کرتے تھے، ان بیٹھکوں سے بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملتا تھا۔

حقہ اس مجلس کی جان بلکہ شان ہوا کرتا تھا، جو حقہ نوشی نہیں کرتے ان کے لئے پان ہوا کرتا تھا اور جو لوگ ان دونوں سے رغبت نہیں رکھتے ان کے لئے شربت یا اور کوئی چیز ہوا کرتی تھی یہ چیزیں ضیافت کی پہچان ہوتی تھیں، حقہ بجھنے سے پہلے ہی تازہ دم ہو کر آتا تھا، دیر دیر تک جمنے والی یہ مجلسیں اپنے آپ میں تجربات کی درسگاہیں ہوا کرتی تھیں۔

کس کو چارپائی کے سرہانے بٹھانا ہے، کس کے پیروں کی طرف جمنا ہے، کون کس کے لئے جگہ چھوڑے گا اور کون حقہ و پان کی ذمہ داریاں انجام دے گا، اس چوپال میں کم عمروں کو بولنا کم سننا زیادہ ہوتا تھا کیونکہ ابھی ان کی عمر بولنے کی نہیں سننے کی ہوتی تھی۔

ملکی اور ملی مسائل بھی زیر بحث آتے تھے اور اتفاق رائے سے طے پاتا تھا کہ کس کو قوت پہنچانی ہے اور کس کو نہیں۔

ریڈیو بھی ہوتا تھا جس میں خاص خاص اوقات میں ملکی اور بین الاقوامی خبریں نشر ہوتی تھیں، پورے انہماک اور توجہ سے لوگ خبریں سنتے تھے اور ذہین لوگ ان خبروں سے اردو ادب بھی سیکھتے تھے، معاشرتی گفتگو بھی ہوتی تھی، جہاں کہیں کسی کے گھر میں کچھ نیا ہوا تو اس کی گونج چوپال تک سنائی دیتی تھی۔ غریبوں کی مدد کی آواز بھی یہیں سے اٹھتی تھی اور کسی کے ظلم کا زور بھی یہیں سے ٹوٹتا تھا۔

اب نہ وہ قدریں رہیں، نہ وہ لوگ رہے، نہ وہ زمانہ رہا اور نہ ہی چوپال رہی، ہر جگہ تبدیلیاں رونما ہو گئیں اور اتنی رونما ہو گئیں کہ اب آپ جہاں کہیں چار لوگوں کو بیٹھے پائیں گے سب کو خاموش ہی دیکھیں گے، سب اپنے اپنے موبائل میں مست ہیں۔

موبائل سے بہت کم لوگ ہیں جو زندگی گزارنے کا سلیقہ اور طریقہ سیکھتے ہیں اکثر لوگ تو بس اپنے اپنے ''شوق'' ہی پورے کرتے ہیں، جن کو گیم سے دلچسپی ہے وہ گیم میں لگے

پڑے ہیں، جن کو فلموں اور ڈراموں کا شوق ہے وہ فلمیں اور ڈرامے دیکھ رہے ہیں، جن کو دیگر فضولیات کی ''لت'' لگی ہوئی ہے وہ اپنا کام کررہے ہیں۔

اچھی چیزیں، کتابیں، ویب سائٹس، مضامین، بلاگ اور کیا کچھ نہیں ہے انٹرنیٹ پر، اچھائیاں بھی ہیں برائیاں بھی ہیں جیسے ہمارا اپنا نفس ہے اسی میں نفس امارہ بھی ہے جو برائیوں پر ابھارتا ہے، نفس لوامہ بھی ہے جو انسان کو نیک کام کرنے سے باز رکھنے کی بھرپور کوشش کرتا ہے اور جب انسان باز نہیں آتا اچھا کام کر گزرتا ہے تو نفس لوامہ لعنت ملامت شروع کردیتا ہے۔

نفس مطمئنہ بھی ہے جو برے کاموں کا تقاضا ہی نہیں کرتا، ہمیشہ اچھائیوں کی طرف لے جاتا ہے۔ جیسے دریا ہے یہاں بیش قیمت چیزیں بھی ہیں، مچھلیاں اور دیگر کارآمد جانور بھی ہیں، لکڑیاں اور موتی اور جواہرات بھی ہیں ساتھ ہی خوفناک موجیں اور ہولناک مناظر بھی ہیں، غواص کو غواصی کے ذریعہ بہت سی نادر چیزیں مل جاتی ہیں لیکن جن کو غواصی اور تیراکی نہیں آتی ان کے لئے مشورہ دیا جاتا ہے کہ دریا سے دور ہی رہیں چنانچہ حضرت شیخ سعدی فرماتے ہیں:

بہ دریا در منافع بے شمار

اگر خواہی سلامت بر کنار

یہی حال موبائل ہے، موبائل کی رنگینیاں، رعنائیاں، دل فریبیاں برائیوں کی طرف کھینچتی ہیں، انسان کی عمدہ تربیت اور اچھی نگہداشت کی گئی ہو تو یہی ''پرزہ'' دینی ویب سائٹوں،

آن لائن دارالافتاؤں، شاندار قسم کے اسلامی بلاگوں، نادر و نایاب کتابوں اور تقریروں و خطبوں تک پہنچادیتاہے۔

کم بولنے کی تو اسلام میں تعلیم اور ہدایت بھی ہے لیکن اپنے قیمتی اوقات کو گناہوں میں برباد اور ضائع کرنے کی وعیدیں بھی موجود ہیں۔

چنانچہ میں کہہ سکتاہوں کہ موبائل کی شکل میں یہ ننھاساپرزہ اچھے انسان کے لئے اچھا بھی ہے اور برے انسان کے لئے برا بھی ہے، بس اس کی برائیاں اس کی خوبیوں پر حاوی ہیں۔

بہت کم لوگ فیس بک، واٹسپ، ٹیوٹر، یوٹیوب وغیرہ سے اچھے کام کرتے ہیں اور ایک بڑی تعداد ہے جو ان چیزوں کو گناہوں اور غلط کاریوں میں ضائع و برباد کرکے خود ضائع و برباد ہورہی ہے۔

عرصہ پہلے امیتابھ بچن نے ٹی وی کی زہرناکی اور خطرناکی پر بیان دیا تھااور کہا تھا کہ اچھا ماحول اور معاشرہ چاہتے ہو تو ٹی وی سے خود بھی دور رہو اور اپنی اولاد کو اس سے دور رکھو لیکن جس نے بیان دیا تھا وہ خود فلمیں بناتاہے، نہ ہی وہ فلمیں بنانے سے باز آیا نہ ہی لوگوں نے اس کی بات پر عمل کیا۔

نشے کی ہر پڑیا اور ہر سگریٹ کے ہر پیکٹ پر لکھا ہوتا ہے کہ اس کے استعمال سے کینسر ہو سکتا ہے پھر بھی ایک دنیا کھائے جارہی ہے، مرے جارہی ہے اور کمپنیاں امیر سے امیر ہوتی جارہی ہیں۔

سرکاریں بھی عجیب ہیں ایک ہی ملک ہے لیکن اس کے قانون کہیں نافذ ہیں کہیں نافذ نہیں ہیں، کہیں شراب پر پابندی ہے تو کہیں اس کے لئے باقاعدہ وزارتیں قائم ہیں، کہیں افیون کی تجارت پر پابندی ہے اور کہیں خود سرکار کے اشاروں پر اس کا بازار زوروں پر ہے، چھوٹا انسان کرے تو غلط ہے بڑا آدمی کرے تو اس کا شوق ہے، ہم کریں تو جرم ہے آپ کریں تو مصلحت ہے۔

بردہ فروشی، عصمت فروشی، جرائم اور کرائم، غداری اور قانون شکنی سب کے پیمانے بدل گئے ہیں، گناہ کو نہیں گناہ گار کو دیکھا جانے لگا ہے، عدالتیں اسی کے گن گاتی ہیں، انصاف کا ترازو قصوروار کی طرف جھکتا ہے، پارلیامنٹ اسی کے گن گاتی ہے، اسمبلیاں اسی کی ترجمانی کرتی ہیں دکھائی دیتی ہیں، نشریاتی اور اطلاعاتی اسٹیشنوں سے ان ہی کی حمایت میں گلا پھاڑا جاتا ہے۔

پرانی قدریں ہی ٹھیک تھیں مجرم مجرم ہوتا تھا کوئی بھی ہو، جرم کو جرم کہا جاتا تھا کسی نے بھی کیا ہو، اُس زمانے میں کوئی اپنا پرایا نہیں تھا سب انسان تھے، انسانی بنیادوں پر مخالفت اور موافقت ہوتی تھی۔

جب سے کالجوں ،یونیورسٹیوں، مخلوط تعلیم گاہوں اور گھر گھر ''دکانوں'' میں خطاکاروں،غلط کاروں،رشوت دے کرڈگری پانے والوں نے ''پڑھانا'' شروع کردیاہے توملک کاپورا سسٹم بدل کررہ گیاہے۔اب مرض سے نہیں مریض سے نفرت کی جانے لگے ہے۔

ججوں پراپنے اثرورسوخ کااستعمال کرکے من مانی کرانے کوملک سے غداری قراردیناچاہیئے،وہاں کسی بھی قسم کی رشوت اورلین دین کوناقابل معافی جرم قراردیناچاہیئے۔بے قصوروں اورناکردہ گناہوں کی سزائیں جھیل رہے لوگوں کے حالات اوران کی کیفیات اور تحقیق حال کے لئے ادارے قائم ہونے چاہئیں۔

جب عدالتوں کوآمدنی کا، قانون شکنی کو تعلیم کا، نقض امن کو سیاست کامہرہ بنایاجانے لگے تو قانون قانون نہیں رہے گا،عدالتوں کا تقدس پامال ہوجائے گا،منصفوں کاکورٹ میں دم گھٹنے لگے گا،مجرم کی نظروں میں جرائم اور کرائم ''شوق''بن کررہ جائے گا۔

جیلیں پکنک پوائنٹ بن جائیں گی،انارکی اورافراتفری کے اس ماحول میں کون کس کی سنے گااورکس کی مانے گا۔

ہم خاندانی لوگ ہیں؟

غریب ونادار تھا،اپنی بیٹی کی شادی کو لے کرپریشان تھا،اس کو یہ سوچ کر نیند نہیں آرہی تھی کہ باراتیوں اور مہمانوں کی ضیافت کیسے ہوگی، کہاں ہوگی،اسی الجھن میں اپنے کچھ بے تکلف دوستوں سے مشورہ کیا۔

انہوں نے مذاق میں کہہ دیاکہ نواب صاحب کی کوٹھی بالکل نئ تیار ہوئی ہے، صفائی کاکام باقی ہے،نواب صاحب سے بات کرو،وہ سیدھاسادا انسان تھا،نواب صاحب کے پاس پہنچ گیا،اپنی پریشانی بتائی،نواب صاحب نے اس غریب کی پوری بات سنی اور کہاکہ میں اس شرط کے ساتھ تمہیں اپنی کوٹھی میں شادی کی اجازت دوں گاکہ صبح سے شام تک تمام مہمانوں اور باراتیوں کا کھاناخرچہ میری طرف سے ہوگا۔

یہ غریب انسان مشکل کی اس گھڑی میں نواب صاحب کی اس دریادلی سے کس قدر خوش ہواہوگااندازہ کیاجاسکتاہے۔شادی ہوگئی،نواب صاحب نے بچی کاتمام خرچہ برداشت کیا۔

خود مہمانوں سے ملاقات کی، شادی کے بعد غریب شخص نہایت ہی ممنونیت کے عالم میں جب کوٹھی کی چابی دینے پہنچا تو نواب صاحب نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ غریب نے جواب دیا کہ آپ کی کوٹھی کی چابی ہے، نواب صاحب نے کہا کہ میں کوئی چیز دے کر واپس نہیں لیا کرتا، یہ کوٹھی بھی تمہاری ہے۔

یہ کوئی افسانہ اور من گھڑت کہانی نہیں بلکہ پاکستان کے سابق وزیر اعظم نواب زادہ لیاقت علی خان کے جد محترم نواب مظفر خان کا واقعہ ہے، یوپی کا شہر مظفر نگران ہی کے نام پر آباد ہے۔

خاندانی لوگوں کی شناخت اور پہچان یہی ہوتی ہے، وہ ریا، نام ونمود، دکھاوا، سستی شہرت اور بناوٹ کے چکر میں نہیں پڑتے ہیں۔ خاندانی شرافت ان کے کردار سے محسوس ہو جاتی ہے، جو خاندانی لوگ ہوتے ہیں ان کی شیریں گفتاری لوگوں کے قلوب کو موہ لیتی ہے، ان کے انداز، عادات، اطوار، کردار، گفتار، معاشرت اور طرز زندگی کو دیکھ کر پہچانا جاسکتا ہے کہ یہ خاندانی شخص ہے۔

زیادہ پڑھ لکھ جانے سے انسان اپنے معاشرے میں باعزت مقام نہیں پاتا ہے، عزت کا تعلق تربیت سے ہے، خاندانی لوگ تربیت پر زیادہ توجہ دیتے ہیں، ان کے یہاں تعلیم اتنی اہم نہیں ہوتی جتنی خاندانی روایات اور تربیت اہم ہوتی ہیں۔ ایک بڑی مشہور کہاوت ہے:

"انسان پرکھنے کی ایک یہ بھی نشانی ہے، گفتگو بتادیتی ہے کہ کون خاندانی ہے"۔

یہ سچ ہے جو لوگ خاندانی ہوتے ہیں ان کی صحبت میں چند منٹ بیٹھ کر ہی پتہ چل جاتاہے کہ اس کے بڑوں نے اس کی تربیت پر خاصی محنت کی ہے۔

آپ اپنے گرد و پیش میں بہت سے ڈگری یافتہ لوگوں کو اخلاق باختہ حالت میں دیکھتے ہیں توآپ سوچنے لگتے ہیں کہ اتنا پڑھ لکھ کر بھی یہ اس حالت میں ہے،اس کی اس حالت کی ذمہ دار کتابیں نہیں ہیں،اس نے اپنی تربیت کے لئے کسی کے سامنے گھٹنے نہیں ٹیکے ہیں، کسی بزرگ کی جوتیاں سیدھی نہیں کی ہیں، اس نے اپنے سینے کو کبراور گھمنڈ سے اس قدر بھر لیاہے کہ تربیت کی گنجائش ہی نہیں رہی ہے۔

تعلیم گاہوں میں صرف تعلیم ہوتی ہے تربیت تواپنے اکابر کی خدمت میں ہوتی ہے۔اکابر کی ڈانٹ ڈپٹ سے نسلیں سدھرتی ہیں اور اساتذہ کی ڈانٹ ڈپٹ سے عقلیں درست ہوتی ہیں۔خاندانی لوگ تعلقات کا بھرم رکھتے ہیں۔یہ لوگ کبھی بھی آپ کو ایسے حالات میں نہیں ڈالیں گے جہاں آپ کو اپنی انا،اپنی سچائی اور اپنی عزت کو داؤپر لگانا پڑے۔

خاندانی شخص کتناہی غریب ہو ذلت اور خواری کوقریب نہیں آنے دیتاہے اور غیر خاندانی کتناہی رئیس ہو بدزبان وبدکلام وبدقماش وبدمعاش ہی رہتا ہے،نئے نئے رئیس اور دولت مند خود کو خاندانی دکھانے اور ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ ان کی گفتگو کی

کاٹ،ان کے لہجہ کی بناوٹ،ان کے طوراور طریقے سے دومنٹ میں ہی اس کی اصلیت کا پتہ چل جاتاہے۔

کہاجاتاہے کہ روپے پیسوں سے عزت نہیں بنتی،خاندانی لوگوں کے طور طریقے الگ ہوتے ہیں،کم ظرف ہوتے ہیں وہ لوگ جو پیسہ آتے ہی ماش کے آٹے کی طرح اینٹھ جاتے ہیں۔

نسلی اور خاندانی انسان کو عزت دو تو وہ شرما کر عاجزی اور مخلصی سے پیش آئے گا،کم نسل بیچ اور گھٹیا انسان کو عزت دو تو وہ تکبر اور گھمنڈ سے مزید اکڑ جائے گا۔یہ بھی مشہور ہے کہ خاندانی لوگوں میں نفاق کے جراثیم نہیں ہوتے ہیں،اگرآپ کسی ایسے شخص کو دیکھیں جو خود کو خاندانی کہلاتاہواور نفاق کے اثرات اس کے کردار سے ظاہر ہوتے ہوں تو ایسا شخص خاندانی نہیں شیطانی ہے۔

جو خاندانی رئیس ہیں وہ مزاج رکھتے ہیں نرم اپنا

تمہارا لہجہ بتارہاہے تمہاری دولت نئی نئی ہے

مذہب اسلام نے ذات،پات، چھوت چھات،امتیاز من وتو،سماجی نابرابری کو برابر کیاہے،اگر کوئی مسلمان ہواور پھر بھی اونچ نیچ کا قائل ہو تو سمجھ لیجئے کہ یہ شخص بے شک اسلام میں داخل تو ہو گیاہے لیکن ابھی آثار کفر باقی ہیں،لوگوں کو عہدے مناصب،جاگیریں

عزت نہیں دیتی ہیں، گھٹیا انسان کسی بھی عہدے پر پہنچ جائے اس سے کوئی نہ کوئی ایسی حرکت سرزد ہو ہی جاتی ہے کہ عالم میں رسوا اور خوار ہو جاتا ہے۔ شاعر نے کتنے درد سے التجا کی ہے:

یہ کس دیار کے ہیں کس کے خاندان سے ہیں

اسیر ہو کے بھی جو لوگ اتنی شان سے ہیں

ملے عروج تو مغرور مت کبھی ہونا

بلندیوں کے سبھی راستے ڈھلان سے ہیں

تم اپنے اونچے محل میں رہو مگر سوچو

تمہارے سائے میں کچھ لوگ بے نشان سے ہیں

زمین کرب کی ہر فصل کا جو مالک ہے

ہمارے درد کے رشتے اسی کسان سے ہیں

مہک رہے ہیں گل، زخم، آرزو، ہر پل

مری حیات کے سب رنگ زعفران سے ہیں

سنا رہے ہیں وہی داستان ظلم و ستم

ہماری آنکھ میں آنسو جو بے زبان سے ہیں

کہاں تک آپ چھپائیں گے داستان ستم

کتاب جسم پہ اب بھی کئی نشان سے ہیں

کسی نے کتنا خوبصورت جملہ کہا ہے کہ ''خاندان سے میرے حالات نہیں ملتے خون ملتا ہے مگر خیالات نہیں ملتے'' چنانچہ اگر کوئی خود کو خاندانی ظاہر کرے اور پھر بھی دروغ بیانی، بخل، غبن، حرام کاری، احسان فراموشی، گندگی، ناانصافی، بے غیرتی، بد قماشی، عیاری اور مکاری کی صفات رکھتا ہو تو یہ خاندانی نہیں ہو سکتا ہے۔

مغلوں نے اپنوں کے علاوہ کسی کو بھی مناسب مناصب نہیں دئے نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے اپنے عیش و عشرت میں ڈوبے رہے اور باکمال لوگوں کے کمالات کو گھن لگتا رہا، اسی لئے ستم رسیدوں کے نظریئے بدل گئے، ان کی مروتیں دم توڑ گئیں، ان کی فوجوں کے قابل ترین، قدیم ترین اور ماہر ترین افراد نے مشورے دینے بند کر دئے، ملک میں جو بھی دشمن داخل ہوا داخل ہونے دیا گیا۔

جس نے بھی جو کچھ کیا کرنے دیا اور اس طرح پیروں کے نیچے سے ریت کھسکتی رہی، برف پگھلتی رہی، ذہنیتیں بدلتی رہیں یہاں تک کہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنے بال و پر نکالے، تاج و تخت پانے کی حکمت عملی مرتب کی، انگریز کو پتہ ہے کہ کسی بھی تخت کو پانے کے

لئے تاخت وتاراج ضروری ہے،تاخت وتاراج کے لئے منصوبہ بندی ضروری ہے، منصوبہ بندی کے لئے ضمیر فروش ضروری ہیں، ضمیر فروشی کے لئے ڈالر و پونڈاور روپے پیسے ضروری ہیں بس انگریزوں نے جسمانی محنت اتنی نہیں کی جتنی انھوں نے دماغی محنت کی۔

اوریوں انھوں نے کچھ ہی سالوں میں سات آٹھ سو سال تک بر سر اقتدار رہے مغلوں اور مسلم حکمرانوں کو پابند سلاسل کر دیا، کچھ دن پہلے تک جن کی حکومت میں برما، بنگلہ دیش، بھارت، پاکستان، لنکا،افغانستان تک شامل تھے۔

اور کہاں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ لال قلعہ سے پالم تک حکومت سمٹ کر رہ گئی، عیش اور عیاشی نے مغل حکمرانوں کو کہیں کا نہیں چھوڑا یہاں تک کہ آخری مغل حکمراں بہادر شاہ ظفر کے عہد میں ایک بھی جنگ نہیں ہوئی، کوئی بھی ملک فتح نہیں ہوا، سلطنت دہلی صرف شاعروں اور مشاعروں تک محدود ہو گئی۔

تمام تر سر گرمیاں لطیفوں، قصہ خوانوں اور کہانیوں پر مشتمل ہو گئیں، نوابوں نے اپنے اپنے علاقوں کی بندر بانٹ کرلی، راجاؤں اور مہاراجاؤں سے اکادکا جھڑپیں ہوئیں بھی لیکن بادشاہ کی فوجوں نے پیٹھ دکھائی اور نوبت یہاں تک آئی کہ خود بہادر شاہ کے سامنے ان کے اپنے صاحب زادگان کے سر قلم کردئے گئے۔

پیرانہ سالی میں بہادر شاہ ظفر کو جلاوطنی اختیار کرنی پڑی اور برما کی کال کوٹھری میں سسک سسک کر جان جان آفریں اس طور پر سپرد کی کہ کوئی کلمہ کی تلقین کرنے والا نہیں تھا، پیاس کی شدت سے حلق خشک ہو چکا تھا اور کوئی دو بوند پانی ان کے حلق میں ٹپکانے والا نہیں تھا۔

قارئین معاف فرمائیں میرا قلم بہک گیا، تاریخ کے ریلے میں میرا ذہن بھٹک گیا، بات چل رہی تھی خاندانی وضع کی، خاندانی روایات کی، خاندانی رسم ورواج کی، ضروری نہیں ہے کہ بادشاہ کا بیٹا بادشاہ ہی پیدا ہو، ممکن ہی نہیں ہے کہ فقیہ کے گھر میں فقیہ ہی پیدا ہو، کیا ایسا ممکن ہے کہ جرنل کا بیٹا جرنل ہو؟

نہیں، کمالات اور اوصاف ماحول سے آتے ہیں، تعلیم سے آتے ہیں، محنت سے آتے ہیں، تربیت سے آتے ہیں، شاہ عالم جیسے بادشاہ کسی بد قسمت ملک کو ڈبونے کے لئے کافی ہیں، جاہل حکمراں کی حکمرانی میں تعلیم کا گلا گھٹ جاتا ہے، عیاش حکمرانوں کے عہد میں محنت کشوں کی نیا ڈوب جاتی ہے، اوباشوں کی جماعت میں شریف انسان خود کو احساس کمتری میں مبتلا پاتا ہے اور اس طرح ذہن، ذہنیت، مزاج، ماحول سب کچھ حکمرانوں کے تابع ہو جاتا ہے۔

اسی لئے ہمارے نبی نے فرمایا کہ **الناس علی دین ملوکھم**۔ لوگ اپنے حکمرانوں کے چشم ابرو کے اشاروں پر تھرکتے ہیں، عوام جانوروں کے مانند ہوتی ہے جیسا حکمراں ہو گا ویسی

ہی عوام ہو گی، حکمراں پڑھا لکھا تربیت یافتہ تہذیب یافتہ ہو گا تو رعایا بھی اسی کے نقش قدم پر چلے گی۔

جن لوگوں نے شریف اور رزیل کا خط کھینچا تھا انہوں نے عہدوں سے لے کر پیشوں اور کاروبار تک سب کو تقسیم کی چھری سے ذبح کر دیا، محنت والے تمام پیشے اپنے ایسے ماتحتوں کو سپرد کئے جن کو وہ ذلیل سمجھتے تھے۔

آج کی حکومتیں بھی یہی کر رہی ہیں سارے منافع بخش عہدے اپنے پاس رکھتی ہیں غیر منافع بخش عہدے ایسے لوگوں کو تقسیم کرتے ہیں جو چاپلوس قسم کے ہوتے ہیں مشن، تحریکات، تنظیمات، ادارے، ممالک سبھی کی بربادی میں چاپلوسوں کی سو فیصد حصہ داری رہی ہے۔

آج بھی ماحول کچھ زیادہ بدلا نہیں ہے ہنر مندوں کو آج بھی ذلیل تصور کیا جاتا ہے، جو لوگ خود کو شرفاء سمجھتے ہیں وہ کسی بھی لائق نہیں ہوتے ہیں یہاں تک وہ جوتے پہننے کے لئے بھی نوکروں کے محتاج ہوتے ہیں۔

نجیبوں کا عجب کچھ حال ہے اس دور میں یارو

جسے دیکھو یہی کہتا ہے ہم بے کار بیٹھے ہیں

جواعلیٰ ظرف ہوتے ہیں،جو صاحبان شان وشوکت ہوتے ہیں،جو شاہان مملکت ہوتے ہیں،جو اعلیٰ دماغ کے حاملین ہوتے ہیں،جو تربیت کی چکی میں پس کر کندن بنتے ہیں ان کے اندر ظاہری رکھ رکھاؤ اتنا ہوتا ہے کہ خود بھوکے رہتے ہیں اور ساتھی کے آرام وراحت کا خیال رکھتے ہیں،خود سادہ لباس ہوتے ہیں لیکن ماتحتوں کو خوش لباس دیکھنا چاہتے ہیں،جو خود فاقہ کی حالت اور پوزیشن میں ہوتے ہیں اور اپنے ملازموں کو آسودہ حال دیکھنا چاہتے ہیں۔

یہ لوگ کسی کے منہ سے نوالہ چھنتے نہیں نوالہ رکھتے ہیں،کسی کی آنکھوں میں آنسو لاتے نہیں پونچھنے کا کام کرتے ہیں،کسی کو گراتے نہیں گرتوں کو تھامتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنے بڑوں کے احسانات تلے دب جاتا ہے ،وفاداری اس کی رگ رگ میں سرایت کر جاتی ہے۔

کوئی گھوڑا اس وقت تک وفادار نہیں ہوتا جب تک مالک اس کی غذا کا خیال نہ رکھے،کوئی کتا وفادار نہیں ہوتا جب تک اس کا پیٹ نہ بھرے،کوئی انسان وفادار کیسے ہو سکتا ہے حال یہ ہے کہ اس کے پیٹ میں بھوک کی وجہ سے چوہے دوڑ رہے ہوں،اس کے بچے بھوک سے بلبلا رہے ہوں اور اس کے گھر سے دھواں اٹھنا موقوف ہو چکا ہو۔

خود کو "خاندانی" کہنا بہت آسان ہے خاندانی بننا بہت مشکل ہے،جس نے بھی کہا ہے زبردست کہا ہے:

میں نہیں مانتا کاغذ پہ لکھا شجرہ نسب

بات کرنے سے قبیلہ کا پتہ چلتا ہے

کیا خاندانی اسی کو کہا جاتا ہے کہ آپ کے گھروں میں ڈیگیں کھنک رہی ہوں اور آپ کے پڑوس میں فاقہ ہو رہا ہو، کیا اسی کو نجابت کہتے ہیں کہ آپ ہر سال وماہ گاڑیاں بدل رہے ہوں اور آپ کے پڑوسی کی پیدل چلتے چلتے ایڑیاں پھٹ گئی ہوں؟

کیا خاندانی اسی کو کہتے ہیں کہ آپ کے گھر میں شادیانے بج رہے ہوں اور فقیر کے گھر میں فاقے کی وجہ سے نوحہ وزاری ہو؟

کیا خاندانی اسی کو کہتے ہیں کہ آپ کی شادی کا بچا ہوا کھانا ٹرکوں کے ذریعہ پھینکا جا رہا ہو اور غریب کے بچوں کو شادی ہال کے اندر گھسنے بھی نہیں دیا گیا؟

کیا خاندانی شرافت اسی کو کہتے ہیں کہ آپ روزانہ کپڑے بدل رہے ہوں اور غریب پڑوسی کی نوجوان بچیاں ناکافی کپڑوں کی وجہ سے باہر نہ نکل سکتی ہوں؟

ہم جانتے ہیں کہ آپ خود کو خاندانی سمجھتے ہیں لیکن ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ آپ ہی کے گھر کی بہو بیٹیاں کتنا میک اپ کر کے گھر سے نکلتی ہیں، آپ پر اللہ کا خوف نہیں زمانے کا ڈر مسلط

ہو چکا ہے، اللہ سے شرم نہیں زمانے سے شرم محسوس کر رہے ہیں، آپ نے اپنے اسٹینڈر کو اللہ کی وجہ سے نہیں زمانے کی وجہ سے بدلا ہے۔

آج آپ زمانے سے ڈرتے ہیں کل کو زمانہ آپ سے عبرت پکڑے گا، آپ نے اپنے گھروں میں آہنی دروازے لگا رکھے ہیں کھڑکیوں پر دبیز پردے لٹکائے ہوئے ہیں، گھر میں پرندہ پر نہیں مار سکتا ہے، خاندانی کہلاتے ہیں۔

لوگ آپ کی مثالیں دیتے ہیں، لیکن یہ خاندانی روایات اس وقت کہاں چلی جاتی ہیں جب آپ ہی کے کسی دوست یا اس کے لڑکے یا لڑکی کی شادی ہوتی ہے، بارات گھروں میں دعوتیں ہوتی ہیں، مخلوط نظام ہوتا ہے، کئی لوگ آپ کی جوان بیوی کو تک رہے ہوتے ہیں کئی نوجوانوں کو تمہاری نوجوان بیٹی تک رہی ہوتی ہے اور آپ دقیانوس بنے ڈیگوں اور میزوں کی طرف ٹکٹکی باندھے ہوئے کھانے کا انتظار کر رہے ہوتے ہیں۔

آپ نے پوری دنیا کو اپنے جیسا شریف نیک اور دیندار سمجھ رکھا ہے، کتنے ہی لوگ آپ کے گھر کے حسن کو گھور رہے ہیں، اڑنے والے کیمرے آپ کی بہو بیٹیوں کی فلمیں بنا رہے ہیں، ایک دنیا آپ کے گھر کی خواتین کو دیکھ دیکھ کر سرد آہیں بھر رہی ہے اور آپ دیوث بنے دنیا ومافیہا سے بے فکر و بے خبر بیٹھے ہوئے ہیں۔

یہ ویڈیو گرافی، یہ فوٹو گرافی، یہ تانک جھانک، یہ مخلوط نظام آپ کی پیشانی کو داغدار کر چکا ہے، کچھ نظریں آپ کے گھر کے اندر تک جھانک چکی ہیں اور آپ خوش ہیں کہ ''ہم خاندانی لوگ'' ہیں۔ یہ شادی ہال، بارات گھر اور نکاح ہاؤس، عشق و معاشقے کے مراکز ہیں، عہد و پیمان کے اڈے ہیں، بے حیائی کے فارم ہاؤس ہیں اور آپ خوش ہیں کہ ''ہم خاندانی لوگ'' ہیں۔

خدارا! اپنی اہمیت پہچانئے، اپنی حیثیت پہچانئے، اپنے آپ کو اپنی حفاظت کے لئے تیار کیجئے، آپ کے بازوؤں میں اگر دم نہیں رہا، قوت و طاقت نہیں رہی تو دنیا کی کوئی طاقت آپ کا سہارا اور آسرا نہیں بن سکتی، دوسروں پر تکیہ اور بھروسہ چھوڑ کر اللہ اور اس کے رسول کے احکامات وارشادات پر غور و فکر کریں ورنہ پھر کسی بہادر شاہ کے سامنے پھر کوئی کمینہ میجر ہڈسن کھڑا ہو گا اور ہمارے دین، ہماری تہذیب، ہماری شریعت، ہماری کتاب اور ہمارے نبی کی کھلم کھلا توہین کرے گا اور کہتا دکھائی دے گا:

دم دمے میں ہم نہیں اب خیر مانگو جان کی

اے ظفر! ٹھنڈی ہوئی اب تیغ ہندوستان کی

ترانے اور ہمارے مدارس

عام نغمہ یا گیت کی ایک خاص قسم کی لے اور سُر کو ترانہ کا نام دیا جاتا ہے، ترانے کی تاریخ بہت قدیم ہے، پہلے عام طور پر صرف ملکوں کے ترانے ہوا کرتے تھے جن کو حکومت کے حکم پر مرتب کیا جاتا تھا، اس کی دُھن اور لے بنائی جاتی تھی، گلوکار ایک خاص ماحول اور تان پر گاتے اور گنگناتے تھے اور اس کو سن کر سامعین پر ایک وجد طاری ہو جاتا تھا۔

خود ہمارے ملک بھارت کا ترانہ علامہ اقبال جیسے قادرالکلام شاعر کا تحریر فرمودہ ہے ، جس کا ایک ایک شعر اور مصرع حقیقت سے پُر اور ادب سے مالا مال ہے ، بچے جب خاص دھن اور محبت میں ڈوب کر یہ ترانہ پڑھتے ہیں تو دل و دماغ متأثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ ترانہ یہ ہے :

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا

ہم بلبلیں ہیں اس کی، یہ گلستاں ہمارا

غربت میں ہوں اگر ہم، رہتا ہے دل وطن میں

سمجھو وہیں ہمیں بھی، دل ہو جہاں ہمارا

پربت وہ سب سے اونچا، ہمسایہ آسماں کا

وہ سنتری ہمارا، وہ پاسباں ہمارا

گودی میں کھیلتی ہیں اس کی ہزاروں ندیاں

گلشن ہے جن کے دم سے رشک جناں ہمارا

اے آب رود گنگا، وہ دن ہیں یاد تجھ کو؟

اترا ترے کنارے جب کارواں ہمارا

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا

ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا

یونان و مصر وروما سب مٹ گئے جہاں سے

اب تک مگر ہے باقی نام ونشاں ہمارا

کچھ بات ہے کہ ہستی مٹتی نہیں ہماری

صدیوں رہا ہے دشمن دور زماں ہمارا

اقبال! کوئی محرم اپنا نہیں جہاں میں

معلوم کیا کسی کو درد نہاں ہمارا

مشہور لکھنوی شاعر اسرار الحق مجازؔ نے خدا جانے کس عشق میں ڈوب کر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا ترانہ لکھا ہے کہ جو بھی سن لے عجیب کیفیت طاری ہونے لگے۔

علی گڑھ کے ترانے کی خاص خوبی یہ ہے کہ اس میں کسی کا بھی نام استعمال نہیں ہوا ہے اس کے باوجود جذبات، عزائم ارادے، ماضی، حال مستقبل سب کچھ اس سلیقہ سے بیان ہوا ہے کہ شاعر کے کمال اور لیاقت کے گن گائے بغیر نہیں رہ سکتے۔

اسرار الحق مجاز نے 1933 میں ترانہ لکھا تھا، 1955 میں یونیورسٹی کے ہی ایک طالب علم خان اشتیاق محمد نے اس کو کمپوز کیا۔اس وقت کے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر ذاکر حسین اس ترانے سے بہت متاثر ہوئے تھے۔

مناسب سمجھتا ہوں کہ ترانہ ہی پیش کرتا چلوں:

یہ میرا چمن ہے میرا چمن، میں اپنے چمن کا بلبل ہوں

سرشار نگاہ نرگس ہوں، پابستہء گیسوئے سنبل ہوں

یہ میرا چمن ہے میرا چمن، میں اپنے چمن کا بلبل ہوں

جو طاق حرم میں روشن ہے، وہ شمع یہاں بھی جلتی ہے

اس دشت کے گوشے گوشے سے، اک جوئے حیات ابلتی ہے

یہ دشت جنوں دیوانوں کا، یہ بزم وفا پروانوں کی

یہ شہر طرب رومانوں کا، یہ خلد بریں ارمانوں کی

فطرت نے سکھائی ہے ہم کو، افتاد یہاں پرواز یہاں

گائے ہیں وفا کے گیت یہاں، چھیڑا ہے جنوں کا ساز یہاں

یہ میرا چمن ہے میرا چمن، میں اپنے چمن کا بلبل ہوں

اس بزم میں تیغیں کھینچیں ھیں، اس بزم میں ساغر توڑے ہیں

اس بزم میں آنکھ بچھائی ہے، اس بزم میں دل تک جوڑے ہیں

ہر شام ہے شام مصر یہاں، ہر شب ہے شب شیراز یہاں

ہے سارے جہاں کا سوز یہاں، اور سارے جہاں کا ساز یہاں

زرات کا بوسہ لینے کو، سو بار جھکا آکاش یہاں

خود آنکھ سے ہم نے دیکھی ہے، باطل کی شکست فاش یہاں

یہ میرا چمن ہے میرا چمن، میں اپنے چمن کا بلبل ہوں

جو ابر یہاں سے اٹھے گا، وہ سارے جہاں پر برسے گا

ہر جوئے رواں پر برسے گا، ہر کوہ گراں پر بارسے گا

ہر سرو سمن پر برسے گا، ہر دشت ودمن پر برسے گا

خود اپنے چمن پر برسے گا، غیروں کے چمن پر برسے گا

ہر شہر طرب پر گرجے گا، ہر قصر طرب پر کڑکے گا

یہ ابر ہمیشہ برسا ہے، یہ ابر ہمیشہ برسے گا

یہ ابر ہمیشہ برسا ہے، یہ ابر ہمیشہ برسے گا

ترانہ ندوۃ العلما لکھنؤ:

حضرت مولانا محمد ثانی حسنیؒ بڑے پائے کے ادیب تھے، ان کا اچھا خاصا شعری مجموعہ اور ذخیرہ موجود ہے، قادرالکلام پختہ گو شاعر تھے، انھوں نے بھی ندوۃ العلماء کا ترانہ لکھا اور ایسا لکھا کہ اگر آپ کو زبان ہوشمند کا ذائقہ لینا ہے تو ہزار کتابیں لکھنؤ کے باب میں نہ پڑھ کر صرف ایک ترانہ ہی سن لیجئے، سن لیجئے اس لئے کہہ رہا ہوں کہ عموماً ترانے سننے میں ہی زیادہ لطف آتا ہے، پڑھنے میں آہی نہیں سکتا ہے، اس ترانے کا ہر شعر لطف ولذت اور ادب کی چاشنی لئے ہوئے ہے:

ہم نازش ملک وملت ہیں ہم سے ہے درخشاں صبح وطن

ہم تابش دیں ہم نور یقیں ہم حسن عمل ہم خلق حسن

ہم مست نگاہ ساقی ہیں ہم بادہ کش صہبائے حرم

ہم نغمۂ اہل قلب وزباں ہم ذہن رسائے اہل قلم

ہم عزم جواں ہر لمحہ رواں رکھتے ہیں ہمیشہ آگے قدم

ہم آب گہر ہم نور سحر ہم باد بہاری ابر کرم

ہم نازش ملک وملت ہیں ہم سے ہے درخشاں صبح وطن

ہم تابش دیں ہم نور یقیں ہم حسن عمل ہم خلق حسن

جس بزم کے ہیں ہم تخت نشیں وہ بزم ہے بزم عرفانی

اس بزم کی ہے ہر صبح حسیں ہر شام ہے اس کی نورانی

یہ بزم ہے ہم شاہینوں کی فطرت میں ہے جن کی سلطانی

یہ قلب ونظر کی دنیا ہے ہر نقش ہے اس کا لافانی

ہم نازش ملک وملت ہیں ہم سے ہے درخشاں صبح وطن

ہم تابش دیں ہم نور یقیں ہم حسن عمل ہم خلق حسن

گنجینۂ فضل رحمانی وہ جس نے بلند اسلام کیا

دانش کدۂ شبلی جس نے پھر ذوق سخن کو عام کیا

وہ بزم سلیمانی جس نے تحقیق نظر کا کام کیا

انفاس علی نے روشن پھر ندوے کا جہاں میں نام کیا

ہم نازش ملک و ملت ہیں ہم سے ہے درخشاں صبح وطن

ہم تابش دیں ہم نور یقیں ہم حسن عمل ہم خلق حسن

وہ شمع یہاں پر جلتی ہے جس شمع سے دنیا روشن ہے

وہ پھول یہاں پر کھلتا ہے جس پھول سے گلشن گلشن ہے

یہ اہل وفا کا مرکز ہے یہ اہل صفا کا مخزن ہے

شہباز یہاں پر پلتے ہیں یہ لعل و گہر کا معدن ہے

ہم نازش ملک و ملت ہیں ہم سے ہے درخشاں صبح وطن

ہم تابش دیں ہم نور یقیں ہم حسن عمل ہم خلق حسن

یہ اہل جنوں کی بستی ہے یہ اہل خرد کا گہوارہ

ہر چیز یہاں کی شہپارہ ہر فرد یہاں کا سیارہ

یاں نور کی بارش ہوتی ہے یاں علم کا بہتا ہے دھارا

ہر قطرہ یہاں کا موتی ہے ہر ذرہ یہاں کا مہ پارہ

ہم نازش ملک وملت ہیں ہم سے ہے درخشاں صبح وطن

ہم تابش دیں ہم نور یقیں ہم حسن عمل ہم خلق حسن

جو ساز یہاں پر چھڑتا ہے کہتے ہیں حرم کا ساز ہے وہ

سینوں میں ہے جو بھی راز یہاں دراصل حجازی راز ہے وہ

جو گونجتی ہے آواز یہاں جادو سے بھری آواز ہے وہ

جو دل نہ کھنچے اس کی جانب بے سوز ہے وہ بے ساز وہ

ہم نازش ملک وملت ہیں ہم سے ہے درخشاں صبح وطن

ہم تابش دیں ہم نور یقیں ہم حسن عمل ہم خلق حسن

اس بزم کے ہم نے جام پیے اس بزم کے ہم مے خوار بنے

اس بزم میں ہم بیدار ہوئے اس بزم میں ہم ہشیار بنے

اس بزم میں ہم غیور بنے بے باک بنے خود دار بنے

اسلام کے حق میں ڈھال بنے باطل کے لیے تلوار بنے

ہم نازش ملک وملت ہیں ہم سے ہے درخشاں صبح وطن

ہم تابش دیں ہم نور یقیں ہم حسن عمل ہم خلق حسن

اس بزم کی برکت سے بخشا فطرت نے پر پرواز ہمیں

چلتے ہیں ہوا کے دوش پہ ہم کہتا ہے ہر اک شہباز ہمیں

خود بڑھ کے بناتی ہے فطرت ہمراز ہمیں دم ساز ہمیں

اللہ نے اپنے فضل وکرم سے بخشا یہ اعزاز ہمیں

ہم نازش ملک وملت ہیں ہم سے ہے درخشاں صبح وطن

ہم تابش دیں ہم نور یقیں ہم حسن عمل ہم خلق حسن

جب بات ترانوں کی چل ہی پڑی ہے تو لگے ہاتھوں جامعہ ملیہ کو بھی شامل مضمون کئے لیتے ہیں کہ وہ بھی ملت کا قیمتی اثاثہ ہے اور ہمارے ہی اکابر کے خوابوں کی حسین وجمیل تعبیر ہے

اس کی خدمات لازوال ہیں۔ جامعہ کا ترانہ مشہور شاعر محمد خلیق صدیقی کا ترتیب دادہ ہے اور خوش الحان شاعر جب جامعہ کے پروگراموں میں یہ ترانہ پڑھتا ہے تو کیف طاری ہو جاتا ہے۔

ترانہ جامعہ ملیہ اسلامیہ:

دیار شوق میرا دیار شوق میرا

دیار شوق میرا دیار شوق میرا

ہوئے تھے آکے یہیں خیمہ زن وہ دیوانے

اٹھے تھے سن کے جو آواز رہبران وطن

یہیں سے شوق کی بے ربطیوں کو ربط ملا

اسی نے ہوش کو بخشا جنوں کا پیراہن

یہیں سے لالۂ صحرا کو یہ سراغ ملا

کہ دل کے داغ کو کس طرح رکھتے ہیں روشن

شہر آرزو میرا شہر آرزو میرا

یہ اہل شوق کی بستی یہ سر پھروں کا دیار

یہاں کی صبح نرالی، یہاں کی شام نئی

یہاں کی رسم ورہ مے کشی جدا سب سے

یہاں کے جام نئے، طرح رقص جام نئی

یہاں پہ تشنہ لبی مے کشی کا حاصل ہے

یہ بزم دل ہے یہاں کی صلائے عام نئی

دیار شوق میرا دیار شوق میرا

یہاں پہ شمع ہدایت ہے صرف اپنا ضمیر

یہاں پہ قبلۂ ایماں کعبہ دل ہے

سفر ہے دین یہاں، کفر ہے قیام یہاں

یہاں پہ راہ روی خود حصول منزل ہے

شناوری کا تقاضہ ہے نو بہ نو طوفاں

کنار موج میں آسودگی ساحل ہے

دیار شوق میرا، شہر آرزو میرا

دارالعلوم دیوبندام المدارس ہے ،دارالعلوم کاترانہ پوری تاریخ کوسمیٹے ہوئے ہے ،اس کے یوں توبہت سے ترانے لکھے اور پڑھے گئے لیکن جو لطف حسان ہندی حضرت مولاناریاست علی ظفر بجنوریؒ کے ترانے میں آتاہے وہ کسی اور میں نہیں آتا،مولاناکایہ ترانہ پہلے اتناطویل اور تفصیلی نہیں تھا،وقت وقت پراس میں کچھ اشعار بڑھتے گئے اورآج یہ ترانہ تیس اشعارپر مشتمل ہے اوراب اضافے کابھی امکان نہیں رہاکیونکہ شاعر محترم بھی ہمارے درمیان نہیں رہے،اوراگر کوئی بندہ لکھے گاتومستقل ہی لکھے گااضافہ کرنے سے رہا۔

ترانۂ دارالعلوم دیوبند:

یہ علم وہنر کاگہوارہ،تاریخ کاوہ شہ پارہ ہے

ہر پھول یہاں اک شعلہ ہے،ہر سرو یہاں مینارہ ہے

خودساقیِ کوثر نے رکھی،میخانے کی بنیاد یہاں

تاریخ مرتب کرتی ہے دیوانوں کی رُوداد یہاں

جووادیِ فاراں سے اٹھی گونجی ہے وہی تکبیر یہاں

ہستی کے صنم خانوں کے لیے ہوتاہے حرم تعمیر یہاں

برساہے یہاں وہ ابرِکرم اٹھاتھاجوسوئے یثرب سے

اس وادی کا سارا دامن سیراب ہے جوئے یثرب سے

کہسار یہاں دب جاتے ہیں طوفان یہاں رک جاتے ہیں

اس کاخِ فقیری کے آگے شاہوں کے محل جھک جاتے ہیں

ہر بوند ہے جس کی امرت جل، یہ بادل ایسا بادل ہے

سو ساگر جس سے بھر جائیں یہ چھاگل ایسا چھاگل ہے

مہتاب یہاں کے ذرّوں کو ہر رات منانے آتا ہے

خورشید یہاں کے غنچوں کو ہر صبح جگانے آتا ہے

یہ صحنِ چمن ہے برکھا رت، ہر موسم ہے برسات یہاں

گلبانگِ سحر بنجاتی ہے ساون کی اندھیری رات یہاں

اسلام کے اس مرکز سے ہوئی تقدیس عیاں آزادی کی

اس بامِ حرم سے گونجی ہے سو بار اذاں آزادی کی

اس وادیٔ گل کا ہر غنچہ، خورشیدِ جہاں کہلایا ہے

جو رند یہاں سے اٹھا ہے وہ پیرِ مغاں کہلایا ہے

جو شمعِ یقیں روشن ہے یہاں، وہ شمعِ حرم کا پرتو ہے

اس بزمِ ولیؒ اللّٰہی میں تنویرِ نبوّت کی ضو ہے

یہ مجلسِ مے وہ مجلس ہے، خود فطرت جس کی قاسمؒ ہے

اس بزم کا ساقی کیا کہیے جو صبحِ ازل سے قائم ہے

جس وقت کسی یعقوبؒ کی لے، اس گلشن میں بڑھ جاتی ہے

ذرّوں کی ضیا خورشیدِ جہاں کو ایسے میں شرماتی ہے

عابدؒ کے یقیں سے روشن ہے سادات کا سچا صاف عمل

آنکھوں نے کہاں دیکھا ہوگا اخلاص کا ایسا تاج محل

یہ ایک صنم خانہ ہے جہاں محمودؒ بہت تیار ہوئے

اس خاک کے ذرّے ذرّے سے کس درجہ شرر بیدار ہوئے

ہے عزمِ حسینؒ احمدؒ سے بپا ہنگامہ گیر و دار یہاں

شاخوں کی لچک بن جاتی ہے باطل کے لیے تلوار یہاں

رومیؒ کی غزل، رازیؒ کی نظر، غزّالیؒ کی تلقین یہاں

روشن ہے جمالِ انورؔ سے پیمانۂ فخرالدیںؔ یہاں

ہر رند ہے ابراہیمؔ یہاں، ہر میکش ہے اعزازؔ یہاں

رِندانِ ہدیٰ پر کُھلتے ہیں تقدیس طلب کے راز یہاں

ہیں کتنے عزیزؔ اس محفل کے انفاسِ حیات افروز ہمیں

اس سازِ معانی کے نغمے، دیتے ہیں یقیں کا سوز ہمیں

طیبہ کی مئے مرغوبؔ یہاں، دیتے ہیں سفالِ ہندی میں

روشن ہے چراغِ نعمانیؔ، اس بزمِ کمالِ ہندی میں

خالقؔ نے یہاں ایک تازہ حرم اس درجہ حسیں بنوایا ہے

دل صاف گواہی دیتا ہے، یہ خلدِ بریں کا سایہ ہے

اس بزمِ جنوں کے دیوانے ہر راہ سے پہنچے یزداں تک

ہیں عام ہمارے افسانے، دیوارِ چمن سے زنداں تک

سو بار سنوارا ہے ہم نے، اس ملک کے گیسوئے برہم کو

یہ اہلِ جنوں بتلائیں گے، کیا ہم نے دیا ہے عالم کو

جو صبحِ ازل میں گونجی تھی، فطرت کی وہی آواز ہیں ہم

پروردۂ خوشبو غنچے ہیں، گلشن کے لیے اعجاز ہیں ہم

اُس برقِ تجلی نے سمجھا، پروانۂ شمعِ نور ہمیں

یہ وادیِ ایمن دیتی ہے، تعلیم کلیمِ طور ہمیں

دریائے طلب ہو جاتا ہے، ہر میکش کا پایاب یہاں

ہم تشنہ لبوں نے سیکھے ہیں مے نوشی کے آداب یہاں

بلبل کی دعا جب گلشن میں فطرت کی زباں ہو جاتی ہے

انوارِ حرم کی تابانی، ہر سَمت عیاں ہو جاتی ہے

امداد ورشید واشرف کا یہ قلزمِ عرفاں پھیلے گا

یہ شجرۂ طیّب پھیلا ہے تا وسعتِ امکاں پھیلے گا

خورشید یہ دینِ احمد کا، عالم کے افق پر چمکے گا

یہ نور ہمیشہ چمکا ہے، یہ نور برابر چمکے گا

یوں سینۂ گیتی پر روشن، اسلاف کا یہ کردار رہے

آنکھوں میں رہیں انوارِ حرم، سینہ میں دلِ بیدار رہے

اب آتے ہیں مظاہر علوم کے ترانے پر،.جی ہاں یہاں کے بھی کئی ترانے لکھے گئے ہیں، مثلاً ایک ترانہ مشہور شاعر وصف الرحمن واصف نظامی نے مرتب کیا ہے جوان کی کتاب دینی مدارس میں موجود ہے اور ناشرین نے چھاپا بھی ہے۔ لیکن ابھی کچھ سال پہلے مشہور ادیب وشاعر مولانا ولی اللہ ولی بستوی نے دو خوبصورت ترانے مرتب کیے ہیں جو بڑی تعداد میں مظاہر علوم وقف کی طرف سے فریم کے لئے شائع بھی ہوئے اور لوگوں نے پسند بھی خوب کیا،ایک ترانے کا پہلا شعر ہے:

یہ علم وہنر کا گہوارہ،انوار کااک مینارہ ہے

ہر پھول یہاں کااک گلشن،ہر غنچہ روشن تارہ ہے

دوسرا ترانہ اس سے بھی زوردار ہے اس کا پہلا شعر یہ ہے:

یہ علم وحکم کا ہے مخزن فردوس کااک نظارہ ہے

ہر پھول یہاں کااک گلشن ہر غنچہ روشن تارا ہے

شاعر مولانا ولی بستوی نے ترانۂ مظاہر علوم میں مظاہر علوم کی تاریخ، قیام کا پس منظر،اس کی لازوال خدمات،اہم اور موٴقر شخصیات کا تذکرہ نہایت ہی ذوق وشوق اور فرط

عقیدت ومحبت میں کیاہے،ان کے سیال قلم سے جو بھی شعر نمودار ہواہے وہ ادب بھی ہے،تاریخ بھی ہے،عشق ومحبت کی داستان ہے،خدمات اورقربانیوں کاعنوان بھی ہے،درداور کرب بھی ہے،شوق اور ذوق بھی ہے،رجزاور عجز بھی ہے،پڑھتے پڑھتے ایسا محسوس ہوتاہے جیسے لق ودق صحرامیں کوئی ساربان دی خوانی کررہاہواوراس کے اونٹ کیف اور لذت سے سرشار ہوکراپنے سروگردن ہلاہلا کرداد تحسین وآفرین پیش کررہے ہوں۔

مولاناولی بستوی اپنے عہد کے بڑے شاعر تھے بلکہ ان سے زیادہ زودنویس شاعر میں نے نہیں دیکھا،کبھی بھی غزل کاایک شعر نہیں کہا،ان کا مجموعہ کلام ''کلیات ولی'' کے نام سے اشاعت کی تیاریاں چل ہی رہی تھیں کہ عین جوانی میں مولائے حقیقی کابلاواآگیا۔

بہتر سمجھتاہوں کہ علم وادب کایہ شاہکار ترانہ بھی پیش کردوں:

ترانہ مظاہر علوم:

یہ علم وحکم کاہے مخزن،فردوس کااک نظّارہ ہے
ہر پھول یہاں کااک گلشن،ہر غنچہ روشن تارہ ہے
یہ رشدوہدایت کامرکز،تعلیم کی وادیٔ ایمن ہے
عرفان ویقیں کاسرچشمہ،فیضانِ خداکاساون ہے
تبلیغ کی سچی خدمت میں یہ مرکزِدیں ممتاز ہوا

تعلیمِ کتاب وسنت کا دنیا میں عجب انداز ہوا

انوارِ حرم کی کاہکشاں، تاروں سے سجی بارات ہے یہ

ہر طالبِ صادق کے حق میں، جلوؤں سے سجی سوغات ہے یہ

اسلاف واکابر کی محنت سے رشکِ جناں گلزار ہوا

اخلاصِ عمل کی برکت سے ہر نقش یہاں ضوبار ہوا

گلزارِ سہارنپور میں ہے، یہ یُمن وسعادت کا مظہر

احمد کی دعا کی برکت سے صفّہ کا یہاں پر ہے منظر

فیضانِ رشیدی کے چشمے سیراب چمن کو کرتے ہیں

انوار کے روشن شہ پارے جو سرو وسمن کو کرتے ہیں

مدت سے اکابر کا علمی، دریائے سخاوت جاری ہے

اشرف کی دعاؤں سے اس میں فیضانِ عنایت جاری ہے

اس مرکزِ علمی سے زندہ، تحریکِ ولی اللّٰہی ہے

یہ مسکن، شیخِ زکریا کا، گلزارِ خلیل اللّٰہی ہے

جو رِند یہاں پر آتے ہیں وہ لعل وگہر پا جاتے ہیں

فیضان سے عبدِ رحماں کے وہ فتح وظفر پا جاتے ہیں

انعام ولطیف ویحییٰ سب، یاں یوسفِ دوراں کہلائے

اس باغِ نبوت کے غنچے، سب لعلِ بدخشاں کہلائے

اس محفلِ مے کے دیوانے، مسعود ہوئے، محمود ہوئے

باطل کے سبھی رستے آخر اس مرکز سے مسدود ہوئے

اس گلشنِ دیں کا ہر مالی، محبوب و مظفر ہوتا ہے

الیاس و سعید و اسعد سے ہر غنچہ اطہر ہوتا ہے

فیضانِ محمد مدت سے اک موج کی صورت جاری ہے

اس بحرِ مظاہر میں ہر سوٗ، عرفانِ مشیّت جاری ہے

اس شہرِ وفا کا ہر کوچہ، بازارِ ارم کہلاتا ہے

گلزارِ مظاہر بھارت میں، گلزارِ حرم کہلاتا ہے

انوارِ حرم کی کرنوں سے، معمور یہاں ذرّات ہوئے

تنویرِ رسالت کی ضو سے، پُر نور یہاں دن رات ہوئے

ہر شام یہاں کے گلشن میں طیبہ کی بہاریں آتی ہیں

ہر صبح جگانے رندوں کو حوروں کی قطاریں آتی ہیں

معمور دیارِ ہندی میں صفّہ کی حسیں تصویر ہے یہ

جو ذاتِ خدا کو بھائی ہے اخلاص کی وہ تعمیر ہے یہ

فردوسِ بریں کے جھونکوں سے گلزارِ ہدایت لہکے گا

خوشبوئے ریاضِ جنت سے یہ بابِ نبوت مہکے گا

فیضانِ سعیدی دنیامیں، سیلاب کی صورت پھیلے گا

عرفانِ محمدؒ عالم میں، خورشید کی صورت چمکے گا

مولیٰ سے ''ولیؔ'' کی ہے یہ دعا، یہ گلشنِ دیں شاداب رہے

انوار و کرم کی بارش سے تا روزِ جزا سیراب رہے

جن شخصیات کے کمالات اوران کی خدمات سے مظاہرعلوم کے در و بام روشن ومنور ہیں ان میں سے تقریباً ۲۴ شخصیات کے نام اس ترانے میں آئے ہیں۔

مظاہرعلوم کے ترانے کو ابھی تک کوئی آواز کا جادو گر نہیں ملا جو اس قیمتی ترانے کو آواز دے سکے۔

کھٹی میٹھی باتیں

ٹرین کا سفر عموماً تجربات اور مشاہدات سے پُر ہوتا ہے، یہاں ہر مذہب، ہر مسلک، ہر قوم، ہر علاقہ کے لوگ ایک چھت کے نیچے جمع ہو جاتے ہیں، بول چال، نشست و برخاست، لب ولہجہ، انداز فکر، اطوار وعادات اور کردار و گفتار ہر چیز سے سابقہ اور واسطہ آپ کو ٹرین کے سفر میں ہو جاتا ہے، لوگ کیسے ہیں، ساتھی کیسا ہے، اس کا کردار کیسا ہے، گفتار کیسی ہے، معاملات کیسے ہیں، ہوشیاری اور دانائی میں طاق ہے یا محض ڈھول میں پول ہے ساری چیزیں آپ کو سفر میں معلوم ہو جاتی ہیں۔

گویا سفر ایک ایسی درسگاہ ہے جہاں تجربات کی ایک دنیا، مشاہدات کا ایک عالم، کسوٹی کی ایک کہکشاں موجود ہے ،ان کہکشاؤں میں آپ کو نظریاتی اختلافات کے باجود شرافت اور انسانیت کے کچھ ایسے ''پتلے'' مل جائیں گے جن کا رویہ اور لہجہ آپ کے لئے ناقابل فراموش ہو گا۔ کچھ ایسی ''ہستیاں'' بھی مل سکتی ہیں جن کا ''رویہ'' اور ''لہجہ'' آپ کے لئے ''ناقابل فراموش'' ہو گا۔

مجھے اب تک کسی سفر میں کوئی ایسا شخص نہیں ملا جس سے دوران سفر کچھ تلخی ہوگئی ہو، بلکہ الحمداللہ ہمیشہ ایسے لوگ ملے جنھوں نے میری گفتگو میں دلچسپی لی، میرے خیالات کو بگوش ہوش سنا، میری باتوں کی تائید وحمایت کی، مجھ سے قریب لگنے کی کوشش کی اور میری روانگی اور علاحدگی کے وقت ان کو ''جدائی'' کا احساس ہوا۔ کبھی کبھی تو میرے کیبن میں دوسرے کیبن کے لوگ گھس آئے، دلچسپی سے باتیں سنتے رہے اور مزے لیتے رہے۔

اصل میں آپ اپنے گرد وپیش کو اپنے اخلاق اور شیریں مقالی سے اپنے مطابق ڈھال سکتے ہیں، آپ چاہیں تو آپ نفرت کے ماحول کو محبتوں سے بدل سکتے ہیں، آپ کی اپنی شخصیت اور آپ کے اپنے میٹھے بول پر کوچ اور بس کے اندر کا ماحول معلق ہے۔

ایک دن دیوبند تلھیڑی چنگی سے رات کو دس بجے سہارنپور آنا تھا، اس زمانے میں اتنی شاندار سڑک کا تصور بھی نہیں تھا، کافی دیر تک بس نہیں آئی، اچانک پولیس کی ایک گاڑی میرے قریب آکر کھڑی ہوگئی۔

فرنٹ سیٹ پر بیٹھے افسر نے بڑی ملائمت اور نرمی سے پوچھا کہ

مولوی جی! کہاں جاؤگے؟

میں نے اسی لہجے میں جواب دیا کہ سر جانا تو سہارنپور ہے لیکن آپ کے ساتھ بالکل جانا نہیں چاہتا۔

مسکرائے اور بولے کہ کیوں ہمارے ساتھ نہ جانے کی وجہ کیا ہے؟

میں نے کہا سر دو باتیں ہیں نمبر ایک تو یہ کہ آپ کے ماتحت جہاں جہاں ملیں گے وہ آپ کی گاڑی میں مجھے دیکھ کر عجیب محسوس کریں گے اسی طرح لوگ میرے بارے میں بھی گمان کر سکتے ہیں کہ میں ماخوذ ہوں۔

اس افسر کا جواب سننے کے لائق تھا، بولے کہ مولوی جی! جن کا دامن صاف ہوتا ہے وہ ایسی باتیں نہیں سوچا کرتے آپ بے تکلف ہمارے ساتھ بیٹھ جائیں، کوئی کیا سوچ رہا ہے اس سوچ کی ابتدا آپ اپنے سے نہ کریں دوسرے کریں تو کرنے دیں۔

مجھے اس افسر کی اس بات نے بہت متائثر کیا، ہمارا بڑا طبقہ اسی سوچ کی وجہ سے کچھ نہیں کر پاتا ہے کہ وہ ہمیشہ یہی سوچتا رہتا ہے کہ کوئی کیا سوچے گا۔

سادہ سی بات ہے جب آپ کے بچے بھوک سے بلبلا رہے تھے کیا کسی نے آپ کے بارے میں کچھ سوچا، جب آپ لمبے عرصہ تک بستر علالت پر دراز تھے کیا کسی نے کچھ سوچا، کسی کو ملنے اور ملاقات کے لئے آپ کے پاس آنے کی توفیق ہوئی، کسی نے آپ سے کہا کہ علاج و معالجہ میں روپے پیسے زیادہ خرچ ہوتے ہیں جب بھی ضرورت ہو تو بے تکلف لے لینا۔

کیا کبھی کسی نے بغیر کسی ذاتی ضرورت کے آپ کو خط یا ٹیلی فون کیا کہ مزاج کیسا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں بہی خواہ بہت کم ہیں، خیر خواہوں کی قلت ہی نہیں گویا قحط

پڑ گیاہے،انسان اپنی ضرورت کے لئے آپ سے تعلق ومحبت رکھتاہے ،اسے اپنی تعریف پسند ہے،ہر ملاقات پرآپ کی نہیں اپنی سنانی چاہتاہے۔

کبھی آپ نے سوچاکہ سفر کے دوران آپ ہی روپے پیسے خرچ کررہے ہیں اورآپ کاساتھی خرچ کے ہر موقع پرآناکانی کرجاتاہے۔کبھی غور کیاکہ آپ کاساتھی سفر کے دوران آپ کاکتناخیال رکھتاہے یاآپ ہی اس کی محبت میں ادھ موے ہوئے جاتے ہیں۔

حکومت کایہ طبقہ ہی اصل میں حکومت کرتاہے ،اس کی تعلیم،اس کامزاج،اس کے بول چال کاانداز،اس کالہجہ بڑاشیریں اوردل کوموہ لینے والاہوتاہے،تعلیم یافتہ بھی ہوتے ہیں اور تربیت یافتہ بھی ہوتے،چنانچہ لگے ہاتھوں ایک اور واقعہ بتاتاچلوں:

ایک دن دارالعلوم دیوبند میں اعظمی طلبہ کی انجمن کااختتامی پروگرام تھا،سہارنپور عدالت کے ایک مسلم جج مجھ سے واقف تھے،مجھ کومطلع کیاکہ دیوبند چلناہے،کرائے کی گاڑی میں دیوبند کے لئے روانہ ہوئے،راستہ میں ایک جگہ ریلوے کراسنگ پرپولیس چیکنگ کررہی تھی،ڈرائیور بولاکہ میراڈرائیونگ لائسنس توگھرپرہی رہ گیاہے۔

جج صاحب نے کہاکہ کوئی بات نہیں ہے پولیس والے کومیری طرف بھیج دینا،پولیس والاجب کاغذات طلب کرنے کے لئے ہماری گاڑی تک پہنچاتوجج صاحب نے شیشہ گرایااور کچھ

ایسے انداز میں اس سے بات کی کہ اس نے سب سے پہلے سلیوٹ مارااور جلدی سے جانے کے لئے راستہ بھی دے دیا۔

حالانکہ جج صاحب نے نہ اپنا تعارف کرایا، نہ اپنا عہدہ بتایا، نہ ہی کاغذ کی کوئی بات کی۔

مجھے بڑا تعجب ہوا کہ یہ چمتکار کیسے ہوا؟ کہا کہ ہمیں بڑی ٹریننگ سے گزرنا ہوتا ہے۔ اب بھی دنیا کے اکثر لوگ کتابوں سے اتنا حاصل نہیں کرتے جتنا انھیں تجربات سے حاصل ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان من خیارکم احسانکم اخلاقا(تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں)۔[17]

ہم نے حسن اخلاق کو ہی اپنے سے دور کر دیا ہے، آپ اپنے کسی بھی دوست سے ذرا سی تلخ یا حق بات کر کے دیکھ لیجئے وہ بولنا تو چھوڑے گا ہی، پیٹھ کے پیچھے آپ کی برائیاں بھی شروع کر دے گا، سچ اور حق بات برداشت کرنے والے ایسے ہی کم یا ختم ہو گئے جیسے ایماندار لیڈر، سچا تاجر، مخلص دوست اور متقی و پرہیز گار افراد۔

(17) بخاری و مسلم

الناس با اللباس ایک اصول ہے، کپڑوں کا اثر ہوتا ہے، اچھے سفید کپڑے اپنی تاثیر رکھتے ہیں، رنگین اور گندے کپڑوں کا اپنا اثر ہوتا ہے، آپ اچھے کپڑے پہن کر کہیں بھی چلے جائیں ہر جگہ آپ کو عزت دی جائے گی جب کہ گندے اور رنگ برنگے کپڑے پہن کر کہیں بھی چلے جائیں وہ عزت اور وہ احترام نہیں مل سکتا ہے۔

اسلام ہمیں اندر سے باہر تک صفائی کا حکم دیتا ہے، ہمیں اپنے آپ کو اندرونی بیماریوں سے بیرونی بیماریوں تک غور وفکر کی ضرورت ہے، زبان کیسی ہو، گفتگو کے دوران ہمارا چہرہ کیسا ہو، چلتے وقت ہماری باڈی لینگویج کیسی ہو، تواضع بے شک اچھی چیز ہے لیکن یہی تواضع متکبر کے سامنے اس کے گھمنڈ کو بڑھادے گا اس لئے متکبر سے تواضع کرنا غلط ہے، آہستہ بولنے کی تعلیم دی گئی ہے۔

لیکن جہاں شور ہو وہاں آپ کا آہستہ باتیں کرنا مخاطب کو پریشان کر دے گا، خلوص اچھی چیز ہے لیکن یہی خلوص کسی شاطر اور ہیرا پھیری کرنے والے انسان کے سامنے نہایت غلط ہے۔

ہمارے نبی نے زندگی کے ایک ایک لمحہ اور ایک ایک درجہ والے سے معاملات کرنے کے لئے اصول اور خطوط طے اور متعین فرمادئے ہیں ہم نے جب بھی ان اصولوں سے انحراف کیا ہے نقصان سے دوچار ہوئے ہیں۔

سنو سنو!!

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانیؒ کہیں دعوت میں تشریف لے گئے وہاں کرسیوں پر بیٹھ کر کھانے کا نظام تھا، مفتی صاحب کے بعض ساتھیوں نے اپنے رومال بچھا کر زمین پر بیٹھ کر کھانے کا ارادہ کیا تو حضرت مفتی صاحب نے منع فرمایا اور فرمایا کہ یہاں تمہارے تواضع سے اسلام کی نیک نامی نہیں بدنامی ہوگی۔

آدمی کے اخلاق اور کردار سے اس کی شخصیت کی پہچان ہوتی ہے، اپنے وقار اور معیار کو محفوظ رکھنے کے لئے بہت سے مواقع پر بہرا بننا پڑتا ہے، اندھا بننا پڑتا ہے، گونگا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ ہر جگہ روک ٹوک سے انسان کی امیج ایسی ہو جاتی ہے کہ لوگ اس سے کنارہ کشی اختیار کرنے لگتے ہیں، اس کی باتوں سے بیزاری ہو جاتی ہے، اس کی صحبت سے دوری ہو جاتی ہے، اس سے لوگ بچنے لگتے ہیں اس لئے ہر وقت کڑوا بن کر رہنا لوگوں کو اپنے فیض سے محروم کر دینا ہے۔

مہمان خانہ مظاہر علوم (وقف) میں ایک دن حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ تشریف لائے ہوئے تھے، میں بھی مجلس میں حاضر تھا، کسی بات پر میرے منہ سے نکلا "الحق مر" حضرت نے مسکرا کر برجستہ فرمایا کہ یہ تعبیر تو اپنی جگہ درست ہے لیکن اس سے

بھی زیادہ اچھی تعبیر ''المر حق'' ہے۔پہلے والے جملہ میں عموم تھا جس کا مطلب ہے کہ حق بات کڑوی ہوتی ہے، حضرت والے جملہ کا مطلب تھا کہ کڑوی بات ہی حق ہوتی ہے۔

انسانی علاج و معالجہ کے لئے ماہرین نے جتنی دوائیں ایجاد کیں ہیں سب کی سب کڑوی ہیں، یونانی دوائیں ہوں یاآیورویدک، انگریزی ہوں یاہومیوپیتھک ساری ہی دوائیں کڑوی ہوتی ہیں، جوزیادہ کڑوی ہوتی ہے کہ ہیئت ایسی بنادی جاتی ہے کہ کڑواہٹ محسوس ہونے سے پہلے معدہ تک پہنچ جائے اور جو کچھ زیادہ ہی کڑوی ہوتی ہے اس پر پلاسٹک کا خول چڑھادیاجاتا ہے جس کی وجہ سے تلخی سے زبان محفوظ رہتی ہے۔ بچپن میں کبھی مولوی اسماعیل میرٹھی کی اردو کی کتاب میں پڑھا تھا اب اس کا صحیح مفہوم سمجھ میں آسکا۔

جو بات کہو صاف ہو ستھری ہو بھلی ہو

کڑوی نہ ہو کھٹی نہ ہو مصری کی ڈلی ہو

فارسی شاعر نے بھی کیاخوب فرمایاہے:

تلخ است زبان در دہن از تلخی کامم

زنہار کہ پرہیز کن از طرز کلامم

بنیاد کا پتھر

کہاوت مشہور ہے ''دنیا چڑھتے سورج کی پوجا کرتی ہے''۔آپ نے بھی دیکھا ہوگا کہ شاگرد اپنے آپ کو اپنے بڑے استاذ یا شیخ و مرشد کے نام سے منسوب کرتا ہے، فارغین اپنے مکتب کا ذکر نہیں کرتے بلکہ اپنے اُس ادارے کا ذکر کرتے ہیں جہاں سے اُسے ڈگری ملی ہے، کاملین اپنی یونیورسٹیوں کا ذکر کرتے ہیں،ڈاکٹر، انجینئر،پروفیسر ہر جگہ اسی طرز اور رَوش کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

لیکن اللہ تعالی نے جب مجھ سے ''یہ تھے اکابر مظاہر''نامی کتاب لکھوائی تو اس کا انتساب میں نے اپنے شیخ و مرشد کی طرف نہیں کیا، بخاری شریف کے استاذ کی طرف نہیں کیا، اپنے والدین کی طرف بھی نہیں کیا کیونکہ مجھے تسلیم ہے کہ بے شک میرے شیخ نے مجھے ذکر اللہ کی لائین پر لا کھڑا کیا ہے، مجھے یہ حق بات قبول کرنے میں کوئی تردد نہیں کہ میرے بخاری اور ترمذی دونوں کے استاذ نہایت عظیم اور بے انتہا مشفق تھے۔

اُن کا حق تھا کہ میں اُن کے نام نامی اسم گرامی سے اپنی کتاب کو منسوب کرتا لیکن اِس انتساب سے نہ تواُن سورج جیسے چمکتے ستاروں اور سیاروں کی شہرت میں اضافہ ہوتا نہ مقبولیت اور محبوبیت میں کوئی زیادتی ہوتی۔

دوسرا پہلو اور بھی اہم ہے میں اپنے بڑے اساتذہ میں سے کسی ایک ہی استاذ کا ذکر کر سکتا تھا دوسرے سارے اساتذہ کو رنج ہو سکتا تھا، وہ یہ سوچنے میں حق بجانب تھے کہ میرے نام سے انتساب کیوں نہیں کیا۔

اِن سب پہلوؤں کو مد نظر رکھیں اور تھوڑی دیر کے لئے اپنے بچپن میں پہنچیں جب آپ کی آستینیں آپ کی رینٹ سے سنی ہوئی ہوتی تھیں، جب آپ کے گندے کپڑے آپ کے قلم دوات، روشنائی اور لکڑی کی تختی کی سیاہی سے مزید گندے ہوچکے ہوتے تھے ایسی حالت اور کیفیت میں آپ کے بڑے اساتذہ ممکن ہے آپ کو قریب بھی نہ پھٹکنے دیتے۔

لیکن ایک ہستی ایسی بھی ہے جس کوآپ کے گندے کپڑوں سے زیادہ آپ کے بہتر مستقبل کا فکر ہے، آپ ننھے بچے ہیں، کہیں ناک بہہ جاتی ہے کبھی تھوک نکل پڑتا ہے، کہیں بدن پر مٹی لگی ہوتی ہے اور کہیں کالک پُتی ہوئی ہے۔

لیکن آپ کا وہ استاذ جس کا آپ عزت سے نام بھی لینا نہیں جانتے تھے کوئی حافظ جی کہتا ہے، کوئی مولبی صاحب کہتا ہے، کوئی مولانا صاحب کہہ کر پکارتا ہے اور وہ سب کی سنتے تھے،

سب کی مانتے تھے، ایک ساتھ سب پر نظر رکھتے تھے، کس نے سبق سنایا ہے کس نے نہیں، کس نے کھانا کھایا ہے کس نے نہیں، کس نے منہ دھویا ہے کس نے نہیں، کس نے پاجاما گندہ کرلیا ہے اور کس طرح اس کو صاف کرایا جائے گا۔

سچ کہوں تو مکتب کا استاذ کسی ماں سے کم نہیں ہوتا، ماں بھی صرف اپنے بچوں کا خیال رکھتی ہے دوسرے بچوں کو ہاتھ بھی لگانا اپنی انا، اپنے مزاج اور اپنی ہستی وحیثیت کے خلاف سمجھتی ہے لیکن قربان میری جان مکتب کے استاذ پر! جنھوں نے یہ سب مرحلے اپنے آپ پر جبر کرکے، صبر کرکے برداشت کئے اور ایک بچہ کو اتنا سکھایا اتنا پڑھایا کہ وہی بچہ جس کو مکتب میں عین غین، خاء، ذال راء، ظاوغیرہ کا مخرج پہاڑ محسوس ہوتا تھا لیکن کس قدر استاذ نے بچے سے حروف حلقی نکلوانے کے لئے اپنے حلق کو قربان کیا ہے، کس قدر تحمل سے کام لیا ہے، کیسے صبر اور عزیمت کے پہاڑ ثابت ہوتے ہیں۔

یہ مکتب کے استاذ، تو پھر کیوں نہ میں اپنی کتاب کا انتساب اپنے اُن ہی استاذ کے نام نامی اسم گرامی سے کروں، جن کو دنیا جان بوجھ کر درگزر کر دیتی ہے، جن کی خدمات کا ہمیں احساس ہی نہیں ہوتا ہے، جو اپنے شاگرد کی ترقی، اس کی شہرت اور اس کی کامیابی کو دیکھ دیکھ کر دل ہی دل میں بستر علالت پر لیٹے لیٹے دعائے خیر کرتے ہیں، اپنے دل کو خوش کرتے ہیں۔ یہ شاگرد کی کتنی بڑی ستم ظریفی ہے کہ ایسے خوشی کے موقع پر بنیاد کے اس پتھر کو فراموش کردے۔

واللہ ! میرے ضمیر نے کہا کہ ناصر ! کمال عمارت کی چھتوں کا نہیں، دیواروں کا نہیں کمال تو ننھے ننھے انیٹ کے ٹکڑوں، ریزوں، سنگریزوں کا ہے جو بنیاد میں سب سے نیچے دبے ہوئے ہیں اور ہنسی خوشی پوری عمارت اور اس کے بوجھ کو اپنے اوپر لادے ہوئے ہیں۔

سنو سنو ! ! عارفین کاملین میں ایک ہستی گزری ہے جس کا نام عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندویؒ ہے ،انہوں نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے آداب المتعلمین ،اِس کتاب میں مظاہر علوم کے ایک استاذ اور شاگرد کا واقعہ لکھا ہے کہ

''ایک بڑے عالم دین جب یہاں مظاہر علوم سے فارغ ہوئے تو اپنے تمام اساتذہ سے الوداعی ملاقات کی لیکن ایک استاذ جو بالکل ابتدائی تھے اُن سے ملاقات اس لئے نہ کر سکے کیونکہ اس دن استاذ محترم مدرسہ میں تشریف ہی نہیں لائے تھے۔وطن پہنچ کر ایک مدرسہ میں انھیں تدریس کا موقع ملا،تدریس میں انھیں وہ کتابیں دی گئیں جو ابتدائی استاذ محترم سے پڑھی تھیں، بہترین صلاحیت کے باوجود کچھ بھی پتہ نہیں چل رہا تھا کہ کیا لکھا ہے اور کیا مطلب ہے ،بہت پریشان ہوئے ،اسی عالم پریشانی میں اللہ تعالیٰ نے ان کی یاوری کی،ان کے ضمیر نے کہا کہ ضرور استاذ ناراض ہیں ،فوری طور پر ایک خط لکھا جس میں روانگی کے وقت کی پوری کیفیت اور داستان لکھی یہ بھی لکھا کہ میں نے حضرت سے جو کتابیں بڑی محنت سے پڑھی تھیں وہی یہاں پڑھانے کو ملی ہیں لیکن کوئی کتاب اور کوئی سبق میرے پلے نہیں پڑرہا ہے ،میرا ضمیر کہتا ہے کہ حضرت والا میری الوداعی ملاقات نہ ہو سکنے پر ناراض ہیں ، حضرت مجھے

معاف فرمادیں میں ضرور ملاقات کرتا اگر آنجناب مدرسہ میں ہوتے، چونکہ میری روانگی کا وقت تھا اور آنجناب مدرسہ میں تشریف نہیں رکھتے تھے اس لئے ملاقات سے محروم رہا جس کا مجھے قلق ہے"۔

استاذ محترم نے خط کا جواب دیا کہ عزیزم! میں واقعی ناراض تھا کہ تم نے مجھے چھوٹا استاذ سمجھ کر ملاقات ضروری نہیں سمجھی، اب تمہارے عریضہ سے بات صاف ہوگئی ہے، میرا دل صاف ہوگیا ہے اب درسگاہ جاؤ، سبق پڑھاؤ ان شاء اللہ ساری باتیں اور کتابیں سمجھ میں آتی چلی جائیں گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

عزیز من! پھر کہتا ہوں فضیلت چھت کی نہیں فضیلت بنیاد کو حاصل ہے۔ چھتیں کمزور ہوتی رہتی ہیں، ان کی مرمت ہوتی رہتی ہے لیکن بنیادیں اپنی اصل پر ہمیشہ قائم اور مستقیم رہتی ہیں۔ ان بنیاد کے پتھروں کی قدر کیجئے۔

میں اپنے ضمیر کا شکر گزار ہوں کہ میں نے اپنی کتاب کا انتساب اپنے سب سے پہلے استاذ کے اسم مبارک سے کیا ہے اور یہی کتاب لے کر جب استاذ محترم کی خدمت میں پیش کی تو ان کی آنکھوں سے نکلنے والے خوشی کے انمول آنسوؤں کی قیمت کا نہ میں اندازہ لگا سکا نہ آپ اندازہ لگا سکیں گے۔

دیواروں کا ناجائز استعمال

اس نے بڑے چاؤاور کثیر صرفہ سے اپنا مکان بنوایا تھا، خوبصورت ٹائل اور دیدہ زیب نقاشی کرائی تھی ،ایک عرصہ تک اس کے مکان کی تعمیر جاری رہی تھی، کروڑوں کی لاگت اور صرفہ سے جب اس کا مکان بن کر تیار ہوا تو وہ بہت خوش تھا، دور دور سے لوگ اس کے مکان کو دیکھنے آتے تھے، گزرنے والے افراد کی رفتار اس کے مکان کو دیکھ کر ہلکی ہو جاتی تھی۔

اور پھر ایک دن جب اس کی آنکھ کھلی تو اس کے چپراسیوں نے خبر دی کہ کسی نے آپ کے مکان کی دیوار پر اشتہار چسپاں کر دیا ہے ۔مکان مالک جست مار کر بد حواسی کے عالم میں دیوار تک پہنچا ،اشتہار کو دیکھا اور پڑھا جلی حروف میں لکھا ہوا تھا ''عظیم الشان جلسہ اصلاح معاشرہ''۔مالک مکان کی حالت دیدنی تھی، اتنی خوبصورت دیوار پر ''اصلاح معاشرہ'' کا پوسٹر چسپاں کرنے والوں نے شاید یہ بھی نہیں سوچا کہ ان کا یہ عمل اصلاح معاشرہ کے خلاف ہے،انہوں نے ایک ساتھ کئی گناہ ''اصلاح معاشرہ'' کے عنوان سے کئے ہیں۔

سوچئے ! کیا کسی کی دیوار پر اس طرح بغیر اجازت کے اشتہار چسپاں کرنا جائز ہے؟ کیا مالک مکان کو اب پھر سے اپنی دیوار کی صفائی نہیں کرانی پڑے گی، محض دو چار گھنٹے تک چلنے

والے پروگرام کی نشرواشاعت کے لئے آپ نے کسی کی دیوار داغ دار کردی ہے، کسی کے دروازے کو خراب کردیاہے، کسی کی دکان کے حسن کو متأثر کردیاہے،آپ نے تعلیمات شریعت سے عدم واقفیت کے باعث ایک ساتھ کتنے گناہ کئے ہیں؟

بالکل نہیں سوچا کہ اجازت لینا بھی ضروری تھا،یہ بھی نہیں سوچا کہ جس دیوار پرآپ اپنااشتہاراور پوسٹر چسپاں کررہے ہیں اسی کے نیچے گندی نالی بھی بہتی ہے،یہ پوسٹر ہوااور بارش سے متأثر ہوکر جب دیوار سے الگ ہوں گے تو نالی میں گریں گے۔بہت ممکن ہے آپ کے پوسٹر پر اللہ اور رسول کانام لکھاہو،یہ بھی ہوسکتاہے کہ کوئی حدیث یاقرآنی آیت لکھی ہو،کچھ بھی لکھاہو بات تو دینی ہی لکھی ہوگی،ایسی صورت میں یہ پوسٹر جب نالی میں گرے گا،گندگی میں پہنچے گاتواس کاگناہ کس کے سر جائے گا؟

دنیابھر کے دارالافتاؤں سے فتویٰ لے لیجئے،کہیں بھی کسی بھی عالم سے مسئلہ پوچھ لیجئے کہ کسی کی دیواراور مکان کواس کی اجازت کے بغیراس طرح استعمال کرناکیساہے؟ہر جگہ یہی جواب ملے گا کہ بلااجازت جائز نہیں ہے۔بہت سی جگہوں پر تو باقاعدہ لکھاہواہے کہ یہاں پوسٹر چپکانا منع ہے اس کے باجود پڑھے لکھے لوگ اَن پڑھوں جیسی حرکتیں کرتے ہیں تو دل خون کے آنسو روتاہے۔

یہ تو ایسے ہی ہوگیا کہ ایک جگہ اصلاح معاشرہ کا پروگرام رات دیر تک جاری رہا، شہر کا سنجیدہ اور دیندار طبقہ اپنے مقررین کی تقریریں خوب ذوق اور شوق سے سنتا رہا، تین چار بجے رات کو دعا ہوئی اور پانچ بجے فجر کی جماعت میں وہ لوگ نہیں پہنچ سکے جو پنج وقتہ نمازی تھے، وہ لوگ بھی سوتے رہ گئے جو صف اول کا اہتمام کرتے تھے، وہ بھی غافل رہے جن کی تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوتی تھی اور وہ لوگ بھی اسی زمرے میں داخل و شامل ہوگئے جو اشراق کی نماز پڑھے بغیر کبھی مسجد سے نہیں نکلتے تھے۔ آپ خود سوچئے یہ معاشرے کی اصلاح ہو رہی ہے یا معاشرے کی بربادی ہو رہی ہے۔ کیا یہ ایک نماز جو اصلاح معاشرہ کے جلسہ کی وجہ سے چھوٹ گئی ہے اصلاح معاشرہ کے سینکڑوں جلسے اس کی بھرپائی کرسکتے ہیں؟

حضرت مولانا سید ظریف احمد پور قاضویؒ ہمیشہ اپنے ساتھ ایک تھیلا رکھتے تھے وہ ہر قسم کے کاغذ کو جو سڑکوں پر پڑے ہوتے ہیں اٹھا اٹھا کر تھیلے میں رکھتے جاتے تھے اور فرصت ملنے پر ان کو کسی پاک جگہ دفن کر دیتے یا جلا دیتے تھے اور کہتے تھے کہ کاغذ کوئی بھی ہو آلات علم میں سے ہے اور آلات علم کا احترام کرنا نہایت ضروری ہے۔ یہ بھی کہتے تھے کہ ان کاغذ کے پرزوں کو اٹھا کر اور سنبھال کر کسی محفوظ جگہ رکھ دیا کرو، ان شاء اللہ یہی چیز مغفرت کا ذریعہ بن جائے گی۔

سنو سنو!! حضرت بشر حافیؒ کو کون نہیں جانتا، طریقت کے پیشوا تھے، شروع کی زندگی شراب و شباب کی نذر ہوگئی تھی، ایک دن شراب کے نشے میں کہیں سے گزر رہے تھے

،راستے میں کاغذ کا ایک ٹکڑا ملا جس پر بسم اللہ لکھی ہوئی تھی،آپ شراب کے نشے میں دھت تھے پھر بھی اس ٹکڑے کو اٹھایا،صاف کیا، عطر لگایااور محفوظ جگہ پر عزت کے ساتھ اس کو رکھ دیا۔اسی رات حضرت بشر حافیؒ کو خواب میں بتایا گیا کہ ''اے بشر! تو نے میرے نام کو معطّر کیا، میری عزّت کی قسم میں نے بھی تیرے نام کو دنیااور آخرت میں معطّر کیا! جو کوئی تیرا نام سنے گا اس کا نام معطر ہو جائے گا''۔

حضرت بشر حافیؒ خواب سے بیدار ہوئے تو فوراً توبہ واستغفار کی توفیق ملی،اللہ تعالیٰ نے انھیں جو مقامات عظیم اور درجات عجیب عطافرمائے اس کی تفصیل کے لئے دفتر کم پڑ جائیں گے۔آپ پر مشاھداتِ حق کا غلبہ رہتا تھا تمام عمر جوتا نہیں پہنا کوئی پوچھتا تو فرماتے کہ ''پوری زمین اللہ تعالیٰ کا فرش ہے، میں نہیں چاہتا کہ اللہ تعالیٰ کی زمین پر جوتا پہن کر چلوں''۔

بے شک آپ نے بہت ہی عمدہ دینی پیغام چھپوایاہے،مانا کہ آپ کا اشتہار بہت ہی خوبصورت ہے،اور ہمیں یہ بھی تسلیم ہے کہ آپ کے اشتہارات کے تمام تر مشمولات دورحاضر میں پھیل رہی معاشرتی بیماریوں کا احاطہ کرتے ہیں،ایسا بھی ہو سکتاہے کہ آپ کا پوسٹر وقت کی ضرورت ہے اور ممکن ہے کہ اس پوسٹر سے معاشرے میں خوشنما انقلاب آجائے۔لیکن یہ تو سوچئے کہ آپ کوئی بھی دینی کام کرنے کے لئے کوئی بھی ناجائز کام تو نہیں کر سکتے۔

عیادت کی عیادت

خبر ملی کہ تفسیر معارف القرآن کے مرتب ،دارالعلوم کراچی کے بانی مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانیؒ کافی دن سے صاحبِ فراش ہیں، دل کی تکلیف کی وجہ سے اٹھنا بیٹھنا بھی ممکن نہیں، یہ خبر کلفت اثر ملنی تھی کہ تڑپ گئے، قدیم دیرینہ تعلقات تھے، خود بھی بخار میں مبتلا، بڑھاپا، پیروں کی معذوری پھر بھی اپنے اعذار وموانع کو بھلا کر ملاقات کے لئے سہارنپور سے دارالعلوم کراچی پہنچ گئے ، حضرت مفتی محمد شفیع عثمانیؒ اپنے کمرے آرام فرما تھے، مفتی صاحبؒ نے جب آپ کو دیکھا تو علالت اور نقاہت کے باوجود اٹھنا چاہا تو آپ نے نہایت ہی بے تکلفی سے فرمایا:

"دیکھو مفتی صاحب! اٹھنے کی کوشش کی تو اچھا نہ ہوگا، سیدھی بات یہ ہے کہ تم بھی بیمار، میں بھی بیمار، بیٹھے رہنے کی طاقت نہ تم میں ہے نہ مجھ میں، میں بھی لیٹ جاؤں گا اور دونوں لیٹے لیٹے باتیں کریں گے۔" (نقوش رفتگاں)

اس واقعہ کے روای مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ تحریر فرماتے ہیں:

”چنانچہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھویؒ والد صاحب کے برابر والی چارپائی پر لیٹ گئے اور دونوں بزرگوں میں دیر تک اسی شان سے گفتگو جاری رہی، اللہ اکبر ! سادگی، بے تکلفی، بے ساختگی اور اخلاص و محبت کے یہ دلآویز پیکر اب کہاں نظر آتے ہیں“۔

بیمار کے پاس جا کر اس کی مزاج پرسی کرنے کو عیادت کہتے ہیں، مریض سے جس کو جتنا تعلق ہوتا ہے اس تعلق کا اظہار عیادت کرنے والے کے عادات اور اطوار سے ہو جاتا ہے، کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو بیمار کی مزاج پرسی کرنے جاتے ہیں تو بیمار کا چہرہ کھل جاتا ہے، اس کو اپنے صحت مند ہونے کا یقین ہو جاتا ہے، اس کے چہرے پر سکون طاری ہو جاتا ہے، اس کے لہجہ میں کھنک پیدا ہو جاتی ہے، مریض کی گویا حسرت پوری ہو جاتی ہے۔

کیونکہ مریض کے سینے میں بھی ایک دل ہوتا ہے، وہ دل ہر ایک کے لئے یکساں نہیں دھڑکتا، ہر مریض کے دو آنکھیں ہوتی ہیں لیکن سبھی کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں چمک نہیں آتی ، کچھ ہی چہرے ہوتے ہیں جن کو دیکھ کر آنکھیں جھپکنا بھول ہو جاتی ہیں جب کہ کچھ چہرے ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو اپنے پاس دیکھ کر حیرت و تعجب میں انسان بار بار اپنی آنکھیں جھپکاتا ہے، اسی طرح بعض لوگ ایسے بھی ہیں جن سے مل کر طبیعت میں انقباض، بے کیفی، بے سکونی اور تلملاہٹ پیدا ہو جاتی ہے ،دل کہتا ہے کہ کاش یہ نہ ہی آتا تو اچھا تھا کیونکہ اس کی باتیں عامیانہ، اس کا لہجہ تیکھا، اس کی عادات تکلیف دہ اور اس کا انداز نا قابل بیان سرد مہری کا غماز ہوتا ہے۔

لالہ مادھورام جوہر نے کہا اور خوب کہا:

وہ عیادت کو نہ آیا کریں میں در گزرا

حال دل پوچھ کے اور آگ لگا جاتے ہیں

بیمار کی مزاج پرسی کرنا بھی ایک فن ہے ،مزاج پرسی کے دوران الفاظ ایسے انتخاب کریں کہ مریض دیر تک ان الفاظ کو یاد کرے اور مزے لے، تعبیرات ایسی چنیں کہ مریض آپ کو اپنے پاس سے اٹھنے نہ دے، حالات اور واقعات ایسے بیان کریں کہ مریض کو اپنے صحت مند ہونے کا پختہ یقین ہو چلے۔

کچھ احمق افراد ایسے ہیں جو مریض کے پاس پہنچ کر مزید مریض بنادیتے ہیں،اس کے چہرے کو دیکھ کر آہ سرد بھرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لگتا ہے دوائیں اثر نہیں کر رہی ہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ڈاکٹر اچھے نہیں ہیں،اس اسپتال کا رزلٹ بہت خراب ہے، یہاں سے شفایاب ہو کر کوئی نہیں گیا، یہاں لے کر کون آگیا ہے،اس اسپتال سے اچھا تو فلاں اسپتال تھا کیونکہ یہاں ڈاکٹر ڈاکٹری نہیں کرتے پڑھائی کرتے ہیں، یہ اسپتال نہیں کالج ہے یہاں طلبہ تربیت کے لئے آتے ہیں۔ایسی باتیں مریض سے کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ اس کے وفادار نہیں ہیں، وفادار ہوتے تو یہ باتیں مریض کی غیر موجودگی میں الگ لے جا کر گھر والوں کو بتاتے۔

صرف مشورے ہی نہ دیتے مشورے کے ساتھ اپنی طرف سے ہر ممکن مدد پہنچاتے، بار بار مریض کے متعلقین سے خیر خیریت پوچھتے لیکن نہیں جناب اب عیادت بھی محض ایک رسم بن کر رہ گئی ہے، جن سے تعلقات ہیں صرف ان ہی سے مزاج پرسی کرنی ہے۔

بہت سے لوگ تو ایسے بھی ہیں جو بیمار کا حال پوچھنے کے لئے جانے کا نظام ہی نہیں بنا پاتے بعد میں کہتے پھرتے ہیں کہ کئی بار ملاقات کرنی چاہی لیکن نظام نہیں بن سکا، کچھ لوگ کہتے ملیں گے کہ مجھے کسی نے بتایا ہی نہیں، کچھ تو مگرمچھ کے آنسو نکال کر کہتے دکھائی دیتے ہیں کہ مرحوم مجھ سے بڑا تعلق رکھتے تھے۔اے بھائی سب کچھ مرحوم ہی رکھتے تھے تم بھی کچھ رکھتے ہو کہ نہیں۔

زیادہ دن نہیں گزرے میرے ایک امیر دوست نے ایک شادی میں شرکت کی تھی برائے نام کھا کر ایک ہزار روپے نیوتہ میں دیئے، میں نے تعجب کا اظہار بھی کیا کہ ایک ہزار روپے ؟تو بولے کہ حالات کے اعتبار سے چلنا اور ماحول کے مطابق رہنا بہت ضروری ہو گیا ہے لیکن آج جب اپنے نہایت ہی قریبی سے ملنے پہنچے تو اسی کے دستر خوان پر لمبے لمبے ہاتھ بھی مارے اور چلتے وقت ایک پائی بھی جیب سے نہیں نکالی، میں دنگ رہ گیا اور سوچ میں پڑ گیا کہ یہاں عیادت کے لئے آئے تھے یا اپنی ضیافت مقصود تھی۔

یہ کتنی ستم ظریفی ہے کہ شادی بیاہ میں آپ محض دکھاوے، بدلے اور ناموری کے لئے ہزار روپے دینے ضروری سمجھے اور یہاں ایک مریض کی عیادت کو آئے، تو آپ کا دل نہیں پسیجا کہ کچھ اس کی بھی مدد کردی جائے۔ کچھ پھل فروٹ ہی لے لئے جائیں، کچھ اس کے بال بچوں کے گھر رقم بھیجوادی جائے تاکہ مشکل کی اس گھڑی میں ان کے کام آسکے۔

موبائل ایک رحمت ہے لیکن یہ ایک زحمت بھی ہے بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو صرف فون پر زبانی جمع خرچ کرکے سمجھ لیتے ہیں کہ سنت ادا ہو گئی حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

"جو مسلمان کسی مسلمان بھائی کی عیادت کو صبح جاتا ہے، تو ستر ہزار فرشتے شام تک اس کے حق میں رحمت کی دعائیں کرتے رہتے ہیں، اور جنت میں اس کے لیے ایک باغ ہو گا۔[18]

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مریض کی عیادت کو تشریف لے جاتے تو یہ دعا پڑھتے "اے تمام انسانوں کے پروردگار! اس بندے کی

---

(18) ترمذی

تکلیف دور فرمادے، شفا عطا فرمادے، تو ہی شفا دینے والا ہے، بس تیری ہی شفا ہے، ایسی کامل شفا عطا فرما، جو بیماری کا اثر بالکل نہ چھوڑے"۔[19]

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صل اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ رب العزت قیامت کے دن کہے گا اے آدم کی اولاد! میں بیمار ہوا تھا تو نے میری عیادت نہیں کی، بندہ کہے گا اے اللہ کیسے میں تیری عیادت کرتا جبکہ تو سارے جہانوں کا پروردگار ہے؟ اللہ فرمائے گا: کیا تم نہیں جانتے کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا تھا، تو اس کی عیادت اور مزاج پرسی کو نہ گیا؟ کیا تجھے خبر نہیں، اگر تم اس کی عیادت کو جاتے تو تم مجھ کو اس کے پاس پاتے،[20]

حضرت زید بن ارقمؓ نے کہا کہ

"میری آنکھ کی ایک تکلیف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری عیادت فرمائی"۔[21]

---

(19) بخاری

(20) مسلم

(21) ابوداؤد

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب تم کسی مریض کے پاس جاؤ تو موت کے بارے میں اس کی فکر کو دور کر دو، اس لئے کہ یہ بات اس کے دل کو خوش کرے گی''۔ [22]

حضرت ابوامامہؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

''عیادت مریض کی تکمیل یہ ہے کہ تم میں کا کوئی شخص اپنا ہاتھ اس کی پیشانی پر یا یہ فرمایا کہ اس کے ہاتھ پر رکھے اور پوچھے کہ مزاج کیسا ہے؟ اور تمہارے سلام کی تکمیل تمہارے درمیان مصافحہ ہے''۔ [23]

حضرت انسؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مریضوں کی عیادت کرو اور ان سے کہو کہ وہ تمہارے لئے دعا کریں کیونکہ بیمار کی دعا قبول کی جاتی ہے اور اس کے گناہ بخشے جاتے ہیں۔" [24]

یہ تمام روایات ہمیں یاد دلاتی ہیں کہ ہم کسی مریض کی عیادت کے لئے خود جائیں جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لے گئے اپنے کسی نمائندہ کو ''نمائندگی'' کے لئے

---

(22)ترمذی

(23)ترمذی

(24)الترغیب والترہیب

نہیں بھیجا،اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مریض کی پیشانی یااس کے ہاتھوں کواپنے ہاتھ میں لے کر دعااور بات چیت کا قابل تقلید نمونہ چھوڑاہے،اس عمل سے مریض کوخوشی ملتی ہے۔

مریض کے پاس پہنچ کر صرف اس کے لئے دعائے صحت پر اکتفانہ کریں بلکہ مریض سے بھی اپنے لئے دعاکی درخواست کریں۔

یہ بات نہایت لائق افسوس ہے کہ ہم اپنے ذاتی فوائد یا مصالح کو مد نظر رکھ کر عیادت کریں،یہ عجیب وغریب حرکت ہے کہ ہم اپنے کسی عزیز یا قریبی کو عیادت کے لئے بھیج دیں اور خود نہ جائیں۔

عیادت کے لئے خود چل کر جاناہی سنت ہے،مریض کے پاس بیٹھ کر کم وقت میں اچھی اچھی باتیں کرناسنت ہے،مریض کو حوصلہ افزا کلمات کہناسنت ہے۔

اسلام اخوت اور رواداری کا سبق سکھاتاہے ،اسلام مریض کی عیادت،مرحوم کی تعزیت اوراس کے متعلقین سے ہمدردی کادرس دیتاہے۔اسلام ہمیں سکھاتاہے کہ کسی سے محبت کروتواللہ کے لئے اور کسی سے عداوت کروتو بھی اللہ کے لئے،ذاتی اغراض سے اعراض نہایت ضروری ہے۔

بہت ممکن ہے کہ مریض کوآپ سے بے انتہامحبت ہواور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کو قلبی طور پر محبت نہ ہو،اس کی محبت اللہ کے لئے ہواورآپ کی محبت اپنی ذات کے لئے ہو،ایسی محبتیں اللہ کے یہاں قابل قبول نہیں ہیں جن کی بنیاداغراض پرر کھی گئی ہو۔

عیادت ایک عبادت ہے کوئی کاروبار نہیں ہے۔عیادت سنت ہے کوئی بیوپار نہیں ہے۔نبی کی سنت کوزندہ کیجئے اپنی ذات سے اوپراٹھ کررسول کے اسوہ کواختیار کیجئے۔

ہم ہر گزکامیاب نہیں ہوسکتے جب تک ہمارے اعمال اورافعال،ہمارا اندرون اوربیرون نبی کے ارشادات کے مطابق نہ ہوجائے۔

دورنگی،منافقت،طوطاچشمی یہ ساری چیزیں بے شک یہیں تک ہیں کل قیامت کے دن پتہ چل جائے گاکس کواپنے نبی سے کتنی محبت تھی اور نبی کی سنتوں کے احیاکے لئے کون کتنامخلص تھا۔

محرم اور ہم

محرم الحرام کے شروع ہوتے ہی مسلمان نما یہود، یہود نما ہنود، ہنود نما روافض اور بدعات وخرافات کے دلدادگان کی بڑی تعداد اپنے گھروں میں باجے بجانے لگتی ہے، ڈھولک کی آوازیں سماعتوں سے ٹکرانی شروع ہوجاتی ہیں، ناچ، راگ اور تماشوں کی وہ وہ حالتیں اور کیفیتیں ان دس دنوں میں دیکھنے کو ملتی ہیں کہ الامان والحفیظ۔

آسمان، زمین، قلم، حضرت آدمؑ، حضرت اسماعیلؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی تخلیق، اجابت توبہ، رفع حضرت ادریسؑ وعیسیٰؑ، کشتئ نوح کی لنگراندازی، نار ابراہیم کا گلزار ہونا، حضرت یوسفؑ کی رہائی، حضرت یعقوبؑ سے ملاقات، بنی اسرائیل سے نجات، تورات کا نزول، حضرت سلیمانؑ کی بادشاہت، حضرت ایوبؑ کو شفا، شکم ماہی سے حضرت یونسؑ کی آزادی، قبولیت توبہ، قوم یونس سے عذاب کا ٹلنا، پہلی بارانِ رحمت کا نزول، خاتم المرسلین کا نکاح اولین، نواسۂ رسول جگر گوشۂ فاطمہ بتولؓ حضرت حسینؓ کی کربلا میں دردناک شہادت اور قیام قیامت یہ سب واقعات وکرامات، حالات وکیفیات، اہم واقعات اسی تاریخ میں پیش آئے ہیں اس لئے اس کو

صرف سیدنا حسینؓ سے جوڑ دینا گویا تاریخ کے گزشتہ تمام تر واقعات سے اغماض اور چشم پوشی کے مترادف ہے۔

خاص طور پر محرم میں نکاح کرنا، مٹھائی کی تقسیم ،پانی یا شربت کی سبیلیں،ایصال ثواب کے لیے کھچڑا اور مختلف کھانوں کی تیاریاں، تعطیلات ،ماتم کی مجالس اور تعزیہ کے جلوس میں شرکت یہ سب وہ متعدی لعنتیں ہیں جن میں ہماری کلمہ گو قوم ملوث ہے۔

میں کس منہ سے شیعوں کی مخالفت کروں حال یہ ہے کہ ہمارے ہی گھر میں اِس قسم کی بدعات اور خرافات جنم لے چکی ہیں۔

جی ہاں میں بات کررہاہوں ایک ایسے قصبہ کی جہاں علمائے دین ہیں، حفاظ کرام ہیں، مدارس دینیہ ہیں، مراکز اسلامیہ ہیں ،یہاں شیعوں کی بڑی تعداد آباد ہے ، گھلی ملی آبادی ہے، کہیں شیعوں کے محلے ہیں تو ان ہی میں کہیں کہیں سنی مسلمانوں کی رہائش گاہیں بھی ہیں۔

میں نے ۱۹۸۸ سے ۱۹۹۳ تک تقریباً چھ سال اسی قصبہ میں تعلیم حاصل کی ہے، میں اگرچہ کم عمر تھا لیکن تھوڑا بہت ہوشمند بھی تھا، کس طرح وہاں ماتمی جلوس میں کلمہ گو مسلمان شریک ہوتے تھے، کس طرح پورے شہر میں جشن اور چراغاں کی کیفیت رہتی تھی، کس طرح پورے شہر میں ایک عجیب ماحول اور مخمور فضا طاری رہتی تھی اس منظر کو جب بھی میں یاد کرتا ہوں افسوس ہوتا ہے۔

آپ حیرت کریں گے کہ اس قصبہ میں اکثریت کلمہ گو مسلمانوں کی ہے، اہل بدعات تو برائے نام ہیں ان کے سارے کام ہم انجام دیتے ہیں، دس محرم کو محلے محلے سے تعزیئے نکالے جاتے ہیں، ان کو بنانے والے، اٹھا کر چلنے والے، شرکت کرنے والے، کربلا نامی (مقامی) مقام تک پہنچانے والے، تعزیہ کے آگے پیچھے، دائیں بائیں مسلمانوں کا ہجوم میری ان آنکھوں نے دیکھا ہے۔سچ کہوں دس محرم کو اہالیان قصبہ اپنے کلمے کو، اپنے مسلک کو، اپنے اسلاف کی تعلیمات کو، اپنی کتابوں کے دروس اور اسباق کو، ماجد کے منبر سے بلند ہونے والی تقریروں کو، رسائل اور کتابچوں، اخبارات و پوسٹروں میں ممانعت اور سد باب کے مضامین سب چیزوں کو بالائے طاق بلکہ بالائے چھت رکھ کر اس ہجوم میں جس شد و مد کے ساتھ شریک ہوتے ہیں اس کو دیکھ کر اُس وقت اتنی تکلیف نہیں ہوتی تھی کیونکہ کم سن تھا، ایک تماشا اور کھیل سمجھ کر شاید خوشی ہی ہوتی ہو گی کیونکہ مدرسہ میں تعطیل بھی ہو جاتی تھی۔

آپ خود بتائیں جام بھی ہو، صراحی بھی ہو، سبو بھی ہو، تنہائی بھی ہو، رسم دنیا بھی ہو، موقع بھی ہو، دستور بھی ہو تو ایک کم سن اور کم عمر طالب علم کیا اویس قرنی کا کردار ادا کرے گا ہم بھی تماش بینوں کی حیثیت سے کسی نہ کسی ہجوم کا حصہ بن جاتے تھے، کھانے پینے کا خیال کہاں، تھکاوٹ کا نام و نشان بھی نہیں محسوس ہوتا تھا۔

سونے چاندی کے تعزیئے، زنجیروں سے اپنے آپ کو لہولہان کرنے کے مناظر، جگہ جگہ لگی ہوئی سبیلیں، کوئی شبر و شبیر کو یاد کر کے رو رہا ہے، کوئی حضرت حسینؓ کے قصے

رورو کر بیان کر رہا ہے، کوئی حضرت حسین کی صاحب زادیوں کی قربانیوں کو یاد کر کے نالہ وبکا سے آسمان کو سر پر اٹھائے ہوئے ہے، کوئی کہیں تقریر سے، کوئی کہیں مجلس سے، کوئی کہیں کسی اور ذریعہ سے محبت حسینؓ اور قربانئ حسین کی نظمیں پڑھ پڑھ کر روپے بٹور رہا ہے۔

کیسے کیسے لوگ ان تعزیوں پر روپوں کی برسات کرتے تھے توبہ توبہ۔ عبا والے، قبا والے، جبہ ودستار والے سب اس دن بے دست وپا نظر آتے تھے۔ خود ہمارے مدرسہ کے بالکل متصل ایک بڑا امام باڑہ تھا پتہ نہیں اب بھی ہے یا ختم ہو گیا جب کہ اس کے قرب وجوار میں، دور و نزدیک شاید ہی کسی شیعہ کا گھر ہو۔

دیکھا جو تعزیہ کو تو پنڈت نے یہ کہا

تو نے میرے مندر کا نقشہ چرالیا

کاغذ میں جب حسین کو تو نے بلالیا

پتھر کی مورتی میں خدا کیوں نہ آئے گا؟

خود دیکھ لیجئے! کہاں نواسۂ رسول حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور کہاں ان کے نام پر ڈھول تماشے، کہاں جگر گوشۂ علی رضی اللہ عنہ اور ان کے نام پر خرافات، کہاں صاحب زادگان وشہزادگانِ صحابہ اور ان کی یاد میں یہ بدعات ورسومات۔ لاحول ولا قوۃ ولا باللہ

تمام کے تمام صحابہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور ہدایات پر جانیں قربان کرنے والے تھے وہاں دور دور تک یہ بدعات اور ان کا تصور نہیں تھا، بہت بعد میں کچھ عیاش بادشاہوں، کچھ مفسد ساز شیوں اور کچھ چاپلوس قسم کے لوگوں نے اپنے عیش وطرب کے لئے یہ چیزیں شروع کردی تھیں تاکہ ان کو کچھ مشغلہ مل جائے۔

ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رونے دھونے، سینہ کوبی کرنے، ماتم اور بکا ہر چیز سے منع فرمادیا ہے، جب تین دن سے زیادہ تعزیت کی اجازت نہیں تو یہ چودہ سو سال بعد بھی ہر محرم میں نوحہ وبکا کی اجازت کیونکر دی جاسکتی ہے۔

دوسرے پہلو سے دیکھئے یہ دولت جو اس دن تعزیوں اور دیگر خرافات میں خرچ کردی جاتی ہے اسی رقم سے آپ جوان یتیم وبے سہارا غریب بچیوں کے نکاح کر سکتے تھے، تعلیمی اور رفاہی ادارے کھول سکتے تھے، زچہ بچہ کے ہوسپٹل کھول سکتے تھے تاکہ ہماری بہنیں غیروں کے سامنے برہنہ اور رسوانہ ہوں لیکن کچھ نہیں بس ایک لکیر ملی ہوئی ہے بالکل کفار ومشرکین کی طرح کہ جو کام ہمارے باپ داداؤں نے کام کئے ہیں ہم ان ہی پر چلیں گے۔ قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُونَ۔

نبی کی نہیں مانیں گے، صحابہ کو نہیں مانیں گے، خلفائے اربعہ کو نہیں مانیں گے، بلکہ بہت سے صحابہ کو (نعوذ باللہ) گالیاں دیں گے، ان کی کردار کشی کریں گے، کتابوں اور شریعت

کو نہیں مانیں گے۔ مانیں گے تو صرف شیطان کو اس کے حکموں کو، اس کی ایجاد کردہ رسوم اور بدعات کو۔ استغفر اللہ ربی من کل ذنب۔

پھر گیارہ محرم کو یہی طبقہ نہایت عجز و انکساری کے ساتھ آپ کے پہلو میں آپ کے ساتھ آپ کی مسجد میں نماز ایسے پڑھ رہا ہوتا ہے کہ اگر فرشتے ان کی تر دامنی کو دیکھ لیں تو ان کے دامن سے ہی وضو کرنے پر فخر کریں اور ایک دوسرے سے سبقت لے جائیں۔

کفر کو، کفریہ باتوں کو، بدعات کو، بدعات کے قرب کو، خرافات کو، خرافاتی افراد کو تین طلاق دیدیجئے، جس کسی نے کسی بھی قوم کی بھی مشابہت اختیار کی وہ ان ہی میں شمار ہوگا اور دنیا میں اگر اسلام کے دشمن سے دوستانہ اور یارانہ گانٹھا ہے تو یقین کریں کہ قیامت کے دن ان ہی کے ساتھ محشور کیا جائے گا۔

اس دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھا ہے، آپ بھی روزہ رکھیں، اس سے پہلے یا بعد ایک دن مزید روزہ رکھنے کا حکم شریعت میں ہے اس لئے ضم روزہ بھی کرلیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل وعیال کے لئے کھانے پینے کے معاملہ میں وسعت کا امر فرمایا ہے اس کی بھی تعمیل کریں باقی جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابۂ کرام سے ثابت نہیں ہیں ان سے احتراز و احتیاط کریں۔ **وشر الأمور محدثاتها، وكل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة، وكل ضلالة في النار۔**

یہ تو نظام قدرت ہے

اللہ تعالیٰ کی عنایات بے نہایات کا ہم شمار کرنے پر آئیں تو نہیں کر سکتے، اس کی حکمتوں، مصلحتوں اور فیصلوں کو جاننے کی کوششیں بھی بے سود ہیں، حکمت اسی کو زیب دیتی ہے، ہم سب اس کی مرضی پر چلیں اسی میں ہماری بھلائی ہے، اس سے شکوہ سنجی، اس کی حکمت اور مصلحت میں کمی اور اس کے مظاہر قدرت پر انگشت نمائی یا حرف زنی ہمیں ایمان سے بھی خارج کر دیتی ہے۔ کب کہاں کیا کرنا ہے یہ اسی کو معلوم ہے۔

قربانی سے پہلے سہارنپور میں خوب بارش ہو رہی تھی اسی دوران اپنے وطن لکھیم پور جانا ہوا وہاں ہلکی پھلکی ایک آدھ مرتبہ بارش ہوئی، لوگ بارش نہ ہونے کی وجہ سے نہایت پریشان تھے، کسان اور مزارع کی پریشانیاں دیکھی نہیں جاتی تھیں، پھر اللہ تعالیٰ نے باران رحمت کا نزول فرمایا اور جھما جھم بارشیں شروع ہو گئیں، دریائے گھاگھرا جو کبھی ہمارے گاؤں سے کئی کلو میٹر دور تھا لیکن رفتہ رفتہ کھیت و کھلیان کٹتے رہے، لوگ اپنے کھیتوں سے محروم ہوتے رہے پھر قبرستان بھی دریا میں چلا گیا، کئی گاؤں ختم ہو گئے، دو مساجد، مدرسہ، کئی اسکول سے دریا برد

ہوگئے۔ مکان بنانے میں لوگوں کی زندگیاں صرف ہوجاتی ہیں لیکن ندی یہ سب کہاں دیکھتی ہے۔

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام
کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں رہے

لوگ کھیت وکھلیان، باغ و قبرستان سے پہلے ہی محروم ہوچکے تھے یہاں تک کہ اب مرزاپور ہی کا کٹان شروع ہوگیا، چند منٹ پہلے جہاں گھر تھا اس جگہ نہایت گہرا دریا ہے، کچھ دیر پہلے جہاں آبادی تھی تھوڑی ہی دیر بعد وہاں پانی کا شور ہے، ہواؤں کا زور ہے، موجیں ہیں، طغیانیاں اور لہریں ہیں، کیسے مکان، کیسے مکین، بچے، بوڑھے، مرد عورتیں سب کو اپنی چھت اور اپنا گھر میسر تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے آسمان اُن کی چھت اور زمین اُن کا فرش بن گیا۔

حکومت ہمیشہ بے وقت جاگتی ہے، جب جاگنے کا وقت ہوتا ہے سوتی رہتی ہے جب بیدار ہوتی ہے تب وقت اس کے ہاتھوں سے نکل چکا ہوتا ہے۔

آفتیں آسمانی ہوں یا زمینی ہوں، مذہب نہیں دیکھتی ہیں، اس کی راہ میں یا مندر، حویلیاں آئیں یا چھپر اس کے نزدیک سب چیزیں تار عنکبوت ہیں، کتنی مشکل سے مکانات بنتے ہیں، اینٹ پر اینٹ رکھی جاتی ہے، ردے پر ردے چڑھائے اور جمائے جاتے ہیں، کتنا مشکل ہوتا ہے چھت کا ڈھالنا، لیکن دریا ایک منٹ کے دسویں حصہ میں پورے مکان کو ہضم کر جاتا ہے

اور پھر لگتا ہے کہ یہاں کچھ تھا ہی نہیں، بالکل اسی طرح جس طرح اڑیل، کڑیل اور طاقت سے چور انسان وقت اجل آتے ہی چل دیتا ہے، لوگ سنتے ہیں تو انگلیاں اپنے دانتوں تلے دبا لیتے ہیں کہ کتنا طاقت ور مرد آہن تھا، کتنی بافیض ہستی تھی، کتنی خدا رسیدہ شخصیت تھی، کتنی علمی اور عملی صلاحیتوں کا مالک تھا، دنیا اس کے جانے پر رو رہی ہوتی ہے اور خود مرنے والا آنکھیں کھولے تماش بین بنا ہوا بستر مرگ پر لیٹا سب کچھ دیکھ رہا ہوتا ہے بس بول نہیں سکتا، ہل نہیں سکتا، حرکت نہیں کر سکتا کیونکہ اس کی روح اس کے بدن کو وداع کر چکی ہے۔

کوس رحلت بکوفت دست اجل

اے دو چشمم وداع سر بکنید

اے کف دست وساعد وبازو

ھمہ تودیع یکدگر بکنید

دست اجل نے روانگی کا نقارہ بجادیا۔ اے دونوں آنکھو! اپنے سر کو وداع کرو۔ اے ہتھیلیو، بازوؤ اور پہنچو! تم سب ایک دوسرے کو رخصت کرو۔

موت ہر چیز پر طاری ہوتی ہے بس نام الگ الگ ہیں، ذی نفس اور ذی روح ہے تو اس کے فنا ہونے کو "موت" کہہ دیا گیا اور بے جان و بے روح چیز ہے تو اس کو "فنا" اور خاتمہ کا نام

دے دیا گیا، مجموعی طور پر فنا ہی مقدر ہے، کوئی بھی ہو، نبی، ولی، صحابہ، تابعین، صالحین امراء، وزراء، فقراء، علماء، صلحاء، شاہان و سربراہان کون بچا ہے؟ کوئی بھی تو نہیں، بچنے والی ذات صرف اسی کی ہے اور باقی رہنا اسی کو زیب بھی دیتا ہے۔ ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام۔

خیر میں اسی بارش کے موسم میں لکھیم پور کے مشرق سے چل کر لکھیم پور کے مغرب میں واقع قصبہ محمدی پہنچا تو وہاں بارش کا نام ونشان نہیں تھا، لوگ حیران و پریشان بارش کے لئے اللہ کے حضور دست بہ دعا تھے، سبحان تیری قدرت! ایک ہی ضلع میں ایک طرف کے لوگ بارش، پانی، دریا کی طغیانی اور اس کے کٹاؤ و کٹان سے رو رہے ہیں اور اسی ضلع میں دوسری سمت کے لوگ بارش نہ ہونے کی وجہ سے پریشان ہیں۔

کچھ ہی عرصہ پہلے ایک ہی وقت میں اڑیسہ اور آسام میں پانی اور سیلاب کی تباہی مچی ہوئی تھی اور اسی وقت لوگوں نے اپنے سر کی آنکھوں سے راجستھان کے لوگوں کو پانی کی بوند بوند کو ترستے دیکھا تھا۔ پانی نہ ملنے کی وجہ سے پرندوں کو درختوں سے گرتے اور مرتے، لوگوں کو نقل مکانی اختیار کرتے دنیا نے دیکھا تھا۔ ایک ہی ملک ہے لیکن ایک جگہ پانی کے ہینڈ پمپ کثیر صرفہ سے لگائے جاتے ہیں اور بہت مشکل سے پانی نکلتا ہے اور اسی ملک میں کسی دوسرے علاقے میں خود بخود پانی کے چشمے جاری ہو جاتے ہیں۔ ایک ہی وقت میں ایک علاقہ خوش حال ہے تو دوسرا بدحال ہے۔ ایک برسر روزگار ہے دوسرا بے روزگار ہے، ایک کھانے کے لئے بھاگ رہا ہے دوسرا کھانے کو ہضم کرنے کے لئے بھاگ رہا ہے، ایک روٹی پانے کے

لئے پریشان ہے،دوسرا روٹی کھانے کے لئے وقت نہ ملنے سے حیران ہے،ایک گاڑی کی چاہت میں مر گیا، دوسرا صحت کے چکر میں گاڑی سے سائیکل پر آگیا۔ایک صحیح معنی میں پیدل ہے دوسرا مجبوری میں پیدل ہے۔ایک جم میں جاکر صحت بنارہاہے دوسرا سردی گرمی برسات اور اولے باری میں بھی کھیت میں ہل چلاکر،امیر کے یہاں پھاوڑے چلاکر، فیکٹری میں دست کاری کرکے اپنی صحت گنوارہاہے۔

قسمت کیاہرایک کو قسام ازل نے

جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا

رکشہ چلانے والا مزدور سڑک کے کنارے خراٹے لے رہاہے اوراسی کے بغل سے گزرنے والا امیر اس کے خراٹوں کو دیکھ کرآہ سرد بھررہا ہے کہ کاش ایسی نینداسے بھی میسر ہو جائے کیونکہ اسے توروزہی نیند کی گولیاں کھانی پڑتی ہیں۔ایک چمچماتی کاروں کو دیکھ کر محو حیرت ہے دوسرا کاروں کے ذریعہ ایکسیڈنٹ کے آپریشن کرتے کرتے پریشان ہے۔ایک روٹی پانے کے لئے اپنی جان دے دیتاہے اور دوسرا روٹی کھاکر شوگر بڑھنے کا شکوہ کررہا ہے۔ڈرائیور کار میں بیٹھا رینگ رہاہے اور مالک اس کے پیچھے پیچھے بھاگ رہاہے ،ڈرائیور سے مالک نے دھیرے دھیرے چلنے کو کہاہے اورمالک سے اس کے فیملی ڈاکٹرنے صبح صبح بھاگنے اوردوڑنے کو بولا ہے۔الٰہی تیری تقسیم کس کی سمجھ میں آئی ہے ؟ تیری ذات ہماری سمجھ سے

، ہمارے فہم سے ، ہماری نظر سے ماوراء ہے۔ تونہایت عظیم اور اعلیٰ ہے تیری ذات ہر چیز پر قادر ہے۔ بھٹکل پانی سے جل تھل ہو رہا ہے اور یہاں پانی نہ ملنے سے ہر ایک بے کل ہو رہا ہے۔

پہاڑی لوگ بادلوں کے گرنے سے ، میدانی لوگ سیلابوں سے ، دریاؤں کے پاس رہنے والے دریاؤں کے نقصانات سے ، کسان اپنی کاشت اور زراعت کو لے کر ، تیار فصل ژالہ باری سے ، ابتدائی پود بارشوں سے ، کھڑی فصلیں آندھی و طوفان سے ، تاجر ملکی حالات سے اور سیاست دان ملک کے سکون سے پریشان ہیں ، سیاست کی بساط پر اگر ہلچل نہ ہو تو سیاست کیسے ہو گی ، صحت مند اگر بیمار نہ ہو تو صحت کی قدر کیسے ہو گی ، کاروبار اگر برباد نہ ہو تو رحمت الٰہی اور فضل الٰہی سے ہماری امیدیں اور لو لگانے کی ہمیں توفیق کب ملے گی۔

فرصت والے مصروفیت کے خواہاں ہیں ، مصروف لوگ فرصت کے طالب ہیں۔ غریب مرغن غذاؤں کو ترستے ہیں ، امیر سادی غذاؤں کے طالب ہیں۔ عجیب بات ہے سانپ چیونٹیاں کھا جاتا ہے اور وہی سانپ جب مر جاتا ہے تو اس کو چیونٹیاں کھا جاتی ہیں۔ ایک ہی گھر ہے ایک ہی چھت ہے۔ باپ کی ٹینشن الگ ہوتی ہے ، ماں کے تفکرات الگ ہوتے ہیں ، بچے کی سوچ الگ ہوتی ہے۔ بیوی کا انداز الگ ہے ، ان ہی افکار ، سوچ اور انداز سے خاندان اور خانوادے آگے بڑھتے ہیں ، گھر کے ہر فرد کی پسند کھانے میں ، پینے میں ، پہننے میں اور معیار زندگی میں الگ الگ ہوتی ہے ، گل ہائے رنگا رنگ سے چمن کو زینت ہوتی ہے ، اِس جہاں رنگ و بو کی زیب و زینت اُس کے مختلف الالوان موسموں سے ہے۔

کہیں بارش ہے تو کہیں خشکی ہے، کہیں برف ہے تو کہیں جوالہ مکھی ہے، کہیں تیز ہوائیں ہیں تو کہیں لو کے تھپیڑے ہیں، کہیں آندھی وطوفان ہے تو کہیں گرمیوں کی حکمرانی ہے۔ کہیں سردیوں سے دانت بج رہے ہیں تو کہیں برسات سے ندیاں اور نالے بہہ رہے ہیں۔ کیاآپ نے کبھی غور کیا موسم کی رنگینیوں پر، حالات کی تبدیلیوں پر، حسن کے تغیر پر،الوان کے تبدل پر، بنتی بدلتی اور بگڑتی شکلوں پر۔ ہائے ہائے علامہ اقبال:

چمکنے والے مسافر! عجب یہ بستي ہے

جو اوج ایک کا ہے، دوسرے کي پستي ہے

اجل ہے لاکھوں ستاروں کي اک ولادت مہر

فنا کي نيند مے زندگي کي مستي ہے

وداع غنچہ میں ہے راز آفرینش گل

عدم، عدم ہے کہ آئينہ دار ہستي ہے!

سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں

ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں

تھوکنے کا سلیقہ بھی ضروری ہے

ایک شادی میں شرکت کے لئے سہارنپور سے سیتاپور جا رہا تھا، سلیپر کلاس تھا، مولانا جمیل احمد سیتاپوری بھی ہمراہ تھے، ٹرین رواں دواں تھی کہ اچانک مجھ سے اگلے والے کیبن میں سے کسی نے پڑیا کی پچکاری باہر پھینکی جو پوری کی پوری مجھ پر آگری اور میرے واحد کپڑوں کو گل وگلزار کر گئی۔

اگر آپ انڈیا میں ہیں تو سڑکوں، چوک وچوراہوں، بس اڈوں، ریلوے اسٹیشنوں ہر جگہ ایسے نمونے آپ کو دکھائی دیں گے جو پان، پڑیا، کھینی یا گل وغیرہ کر کے تھوکتے، دیواروں کو رنگین اور فرش کو نقشین کرتے مل جائیں گے یہ قوم شوق تو اپنے پورے کرتی ہے لیکن تکلیف ہمیشہ دوسروں کو دیتی ہے۔

بی بی سی لندن نے دو ہزار دس میں ایک رپورٹ شائع کی تھی جس میں بتایا گیا تھا کہ پوری دنیا میں سڑکوں، پارکوں، عوامی جگہوں میں تھوکنے والے سب سے زیادہ انڈیا میں پائے جاتے ہیں۔ وہ تو اچھا ہوا کہ کورونا وائرس کے خوف اور حکومتی وعوامی شدت نے لوگوں کے

تھوکنے پر کافی حد تک قدغن لگائی ہے ورنہ ہمارے وزیراعظم تک نے اپنی قوم سے خطاب میں اس تھوکنے کا رونا رویا ہے اور محض اپیل کرتے ہی نظر آئے ہیں۔

اصل میں یہ عمل بے سلیقہ، اوباش طبع اور گندگی پسند طبیعتوں کا کام ہے، میں نے فقیہ الاسلام حضرت مفتی مظفر حسینؒ کو پان کھا کر اگالدان میں تھوکتے اس طور پر دیکھا ہے کہ وہ اپنے منہ کو اگالدان کے بالکل قریب لے جاتے تھے، جس طرف لوگ بیٹھے ہوتے تھے ادھر ہاتھ سے رکاوٹ کر لیتے تھے تاکہ پان کی پیک بھی لوگوں کو دکھائی نہ دے۔

مفتی صاحبؒ ایک بزرگ کا واقعہ بتایا کرتے تھے کہ کوئی شخص ان سے ملنے گیا تو دیکھا کہ بزرگ نے قبلہ کی جانب بے تکلف تھوک دیا ہے تو وہ عقیدت مند وہیں سے الٹے پیر واپس ہو گیا اور کہا کہ وہ بزرگ بزرگ ہی نہیں ہے جو قبلہ کا احترام نہ کرتا ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک صاحب کو قبلہ کی طرف تھوکتے دیکھ لیا تو ناگواری کا اظہار فرمایا اور اس کو نماز پڑھانے سے منع فرما دیا۔ ان صحابی نے پھر کبھی نماز پڑھانی چاہی تو صحابہ نے روک دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنایا، وہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”تو نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچائی ہے“۔

ابوداؤد شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے قبلہ رخ تھوک دیا وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا تھوک اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان (پیشانی پر) ہوگا۔

بہت سے لوگ مسجد میں آکر ہی وضو کرتے ہیں اور اتنے بے سلیقہ پن کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ مسجد میں سنتیں پڑھنے یا موجود لوگوں کو اس کے وضو سے تکدر ہو جاتا ہے، بعض تو پورے دن کا تھوک اور بلغم آکر مسجد کے وضوخانے میں ہی نکالنے کو کار ثواب سمجھتے ہیں۔ایسی ایسی آوازیں نکالتے ہیں کہ الامان والحفیظ۔

بہت سے لوگ چلتے چلتے اچانک اپنے دائیں یا بائیں تھوک دیتے ہیں، کچھ احمق تو گاڑی کا شیشہ کھول کر ایسا تھوکتے ہیں کہ باہر گزرنے والے لوگ بھی گل وگلزار ہو جاتے ہیں، بعض بے ادب ایسے بھی ہیں جو عوامی جگہوں پر تھوکنے، دانتوں میں خلال کرنے، ناک میں انگلی ڈالنے اور کانوں کا میل نکالنے میں کوئی قباحت نہیں سمجھتے، یہ سب چیزیں انسان کے بے سلقیہ پن کو ظاہر کرتی ہیں، ہمارے حضرت مولانا اطہر حسینؒ نے اگر کسی طالب علم کو دوران سبق ناک، کان یا آنکھ کے گوشے کو صاف کرتے دیکھ لیا تو اس کی خیر نہیں تھی وہیں سزا دیتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ پھر وہ طالب علم ہمیشہ یاد رکھتا تھا۔اب روک ٹوک کی عادت ختم ہوتی جارہی ہے، نہ طلبہ میں شوق رہا، نہ اساتذہ میں دلچسپی رہی، سبق پڑھایا اور درسگاہ سے باہر۔

حضرت ابوہریرہ اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی دیوار پر رینٹ دیکھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کنکری لے کر اسے کھرچ ڈالا، پھر فرمایا: ''جب کوئی شخص تھوکنا چاہے تو اپنے سامنے اور اپنے دائیں ہرگز نہ تھوکے، بلکہ اپنے بائیں جانب یا بائیں پاؤں کے نیچے تھوکے''(صحیح بخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں قبلہ کی سمت بلغم دیکھا، تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے، اور فرمایا: ''لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے آگے بلغم تھوکتے ہیں؟ کیا تم میں کا کوئی یہ پسند کرے گا کہ دوسرا شخص اس کی طرف منہ کرکے اس کے منہ پر تھوکے؟۔(صحیح مسلم)

اب تو ماشاءاللہ کافی سدھار آگیا ہے ورنہ بعض مدارس میں عمارتوں کے گوشے بھی پان اور پڑیا کی وجہ سے گل وگلزار ہوتے تھے، جگہ جگہ دیواروں پر لکھنا پڑتا تھا کہ ''پان کھا کر گوشوں اور دیواروں پر نہ تھوکیں''۔

امریکہ میں مقیم ایک بھارتی فیملی نے اپنے خرچہ سے ایک تحریک بھارت میں شروع کی، پورے ملک کے دورے کئے اور یہ بیداری پیدا کرنی چاہی کہ لوگ دیواروں پر نہ تھوکیں ،اسی فیملی کی رپورٹ ہے کہ ایک اسٹیشن کی دیوار کا تو بہت براحال تھا، ہم نے اس دیوار کو اپنے صرفہ سے دوبارہ رنگوایا لیکن تیسرے دن دیکھا تو دیوار واپس اپنی حالت میں پہنچ چکی تھی، میں

نے ایک صاحب کو تھوکتے دیکھا تو منع کیا،اس نے کندھے اچکائے اور کہا کہ کیا یہ دیوار تمہارے باپ کی ہے۔

بعض لوگ بیت الخلاء، غسل خانہ وغیرہ میں بھی بے تکلف تھوکتے رہتے ہیں، حالانکہ حکماء کہتے ہیں کہ ان جگہوں پر تھوکنے سے ذہن کم زور ہوتا ہے۔ مشہور عالم حضرت مولانا مفتی شبیر احمد قاسمی نے ایک استفتاء کے جواب میں لکھا کہ بیت الخلا اور غسل خانے میں بلا وجہ تھوکنا مکروہ ہے۔

اسلام کی خوبی اور امتیاز یہ ہے کہ ہر جمعہ کو تمام قوم اپنے اماموں اور خطیبوں کے بیانات سنتی ہے ،اگر ائمہ حضرات وقفہ وقفہ سے اس پہلو پر بھی لوگوں کو متوجہ کریں تو کم از کم عوامی جگہوں پر تھوکنے والی تعداد میں تقریباً ۳۰ کروڑ افراد کم پڑ جائیں گے اور یہ ۳۰ کروڑ افراد اگر ٹھان لیں تو تین چار دنوں میں ہی پورے ملک میں ایک بیداری پیدا کر سکتے ہیں۔

رکوع پانے کے لئے دوڑنا

وہ جب مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ نہ صرف جماعت کھڑی ہو چکی ہے بلکہ امام صاحب رکوع میں جانے والے ہیں، اسے کسی نے یہ مسئلہ بتادیا تھا کہ امام کے ساتھ رکوع پانے والے کو پوری رکعت کا ثواب ملتا ہے، بس پھر کیا تھا، وضو خانے سے ہی دوڑ لگادی، اس کے پیر گیلے تھے، مسجد کا فرش ٹائلوں کی وجہ سے بہت ہی چکنا تھا، پھسل گیا، چوٹ بھی آئی، نماز مکمل ہوئی تو نمازیوں کی نظریں گرنے والے کو تلاش کر رہی تھیں، یہ صاحب سمجھ گئے اور بولے کہ ”میں ہی تھا ثواب کا عاشق“۔

اس طرح کے مناظر ہر مسجد میں عام ہیں، سوچنے کی بات یہ ہے کہ مؤذن نے تقریباً نصف گھنٹہ پہلے نماز اور کامیابی کے لئے پکار لگائی تھی، اگر آپ اسی وقت مسجد کا رخ کر لیتے تو سنتوں سے بھی محروم نہ ہوتے، آرام اور سکون کے ساتھ مسجد میں آنے کی جو نبوی ہدایت ہے: ”إذا أتيتم الصلاة فأتوها وأنتم تمشون، ولا تأتوها وأنتم تسعون، عليكم بالسكينة والوقار، ما أدركتم فصلوا، وما فاتكم فاقضوا“: جب نماز کے لیے اقامت کہی جائے، تو تم نماز کی طرف دوڑتے ہوئے نہ آؤ، تم نماز کی طرف آؤ اور اطمینان کے ساتھ رہو، پس جتنی رکعتیں تم پالو، انہیں پڑھ لو اور جو فوت

ہو جائیں، انہیں بعد میں مکمل کر لو، کیونکہ تم میں سے کوئی ایک جب نماز کا ارادہ کرتا ہے، تو وہ نماز ہی میں ہوتا ہے۔[25]

نہ صرف دوڑنا منع ہے بلکہ مسجد میں دوڑنا آداب مسجد کے بھی خلاف ہے اور نبوی حکم کی مخالفت بھی ہے، دوسرے دوڑ کر جماعت میں شریک ہونے والا ممکن ہے پھسل کر گر پڑے، ہڈیاں ٹوٹنے کا اندیشہ، گرتے وقت کسی اور کو تکلیف پہنچنے کا امکان، سانس کے پھولنے اور اس بے سکونی میں نماز کے اندر مسنون وماثور تلاوت، ادعیہ وغیرہ کی ادائیگی میں دقت ہوگی یہ تمام حالات محض رکوع پانے کی خواہش اور چاہت کے سبب پیش آئے ہیں۔

علامہ عینی کا ارشاد ہے: **''ان المسرع اذا اقیمت الصلاۃ یصل الیھا وقد انبھر، فيقرا في تلك الحالة، فلا يحصل له تمام الخشوع في الترتيل وغيره، بخلاف من جاء قبل ذلك، فان الصلاۃ قد لا تقام حتى يستريح۔۔ والحكمة فی منع الاسراع انه ينافی الخشوع وتركه ايضا يستلزم كثرة الخطى وهو امر مندوب مطلوب وردت فيه احاديث: منها حديث مسلم رواه عن جابر: ان بكل خطوة درجة''**

(25) صحیح مسلم

ترجمہ: جب نماز قائم کی جائے گی، تو تیز چل کر آنے والا اس حال میں نماز تک پہنچے گا کہ اس کا سانس پھولا ہوگا، پس اس حالت میں وہ جو کچھ بھی پڑھے گا، اسے ٹھہر کر پڑھنے وغیرہ معاملات میں مکمل خشوع حاصل نہیں ہوگا، بر خلاف اس شخص کے جو نماز قائم ہونے سے پہلے آیا ہو، کیونکہ نماز قائم نہیں ہوگی، یہاں تک کہ وہ کچھ سانس لے لے گا اور دوڑنے سے منع کرنے میں یہ بھی حکمت ہے کہ یہ خشوع کے منافی ہے اور اس کا ترک زیادہ قدم چلنے کو بھی مستلزم ہے اور نماز کے لیے زیادہ قدم چلنا مستحب اور مطلوب ہے۔

علامہ نوویؒ ارشاد فرماتے ہیں: **"والحكمة فى اتيانها بسكينة والنهى عن السعى: ان الذاهب الى صلاة عامد فى تحصيلها ومتوصل اليها، فينبغى ان يكون متادبا بآدابها"**

ترجمہ: اور نماز کی طرف اطمینان کے ساتھ آنے کے حکم اور دوڑ کر آنے سے منع کرنے میں حکمت یہ ہے کہ بے شک نماز کی طرف جانے والا، اس کو ادا کرنے کا ارادہ کرنے والا اور اس تک پہنچنے والا ہے، پس مناسب یہ ہے کہ وہ اس کے آداب کو بجالائے۔[26]

غلطی صرف اِن دوڑنے والوں کی نہیں ہے، ہمارے ائمۂ مساجد کی بھی ہے جو اِن مواقع پر تنبیہ نہیں کرتے، انہوں نے رکوع پانے کی صورت میں رکعت پانے کا مسئلہ تو بتادیا یہ

(26) شرح النووی علی مسلم

نہیں بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھاگنے اور قلانچیں بھرنے سے منع فرمایا ہے، یہ بھی نہیں بتایا کہ اگر تمہارا رکوع یا رکعت چھوٹ گئی ہے تو اب کھڑے ہو کر خواہ مخواہ وقت ضائع مت کرو بلکہ امام کو جس حالت اور کیفیت میں پاؤ اسی حالت اور کیفیت میں شامل ہو جاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے خلوص کو دیکھتا ہے، تمہاری نیتوں سے واقف ہے۔ مسجد میں آنے والے افراد کو امام کا اگلی رکعت میں اٹھنے کا انتظار نہ کرنا چاہیے، بلکہ امام کو جس حالت میں پائے اسی حالت میں امام کے ساتھ شامل ہو جانا چاہیے"۔ الفاظ حدیث یہ ہیں:

إِذَا أَتَى أَحَدُكُمُ الصَّلَاةَ وَالْإِمَامُ عَلَى حَالٍ، فَلْيَصْنَعْ كَمَا يَصْنَعُ الْإِمَامُ۔

محدثین کا ارشاد ہے کہ ایسا کرنے سے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمادے"۔ **لَعَلَّهُ لَا يَرْفَعُ رَأْسَهُ فِي تِلْكَ السَّجْدَةِ حَتَّى يُغْفَرَ لَهُ۔**

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالی عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں: "**بينما نحن نصلي مع النبي صلى الله عليه وسلم اذ سمع جلبة رجال، فلما صلى قال: ما شانكم؟ قالوا: استعجلنا الى الصلاة؟ قال: فلا تفعلوا، اذا اتيتم الصلاة فعليكم بالسكينة، فما ادركتم فصلوا وما فاتكم فاتموا**"

ترجمہ: ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے، اچانک کچھ مردوں کے دوڑنے کی آوازیں سنائی دیں، پس جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا چکے، تو ارشاد فرمایا: تمہارا کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے عرض کیا: ہم نے نماز کی طرف جلدی کی ہے، ارشاد فرمایا: ایسا نہ کرو، جب تم نماز کی طرف آؤ، تو اطمینان کے ساتھ آؤ، پس جتنی رکعتیں تم پالو، وہ پڑھ لو اور جو فوت ہو جائیں، انہیں بعد میں پورا کرلو۔[27] (صحیح بخاری)

حضرت علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: "**والهرولة للصلاة**" اور نماز کے لیے دوڑنا مکروہ ہے۔[28]

بہرحال رکوع پانے کے لئے بھاگ دوڑ اور جلد بازی میں کئی امور ایسے ہیں جن کی خلاف ورزی ہوتی ہے مثلاً آداب نماز کی خلاف ورزی، مسجد کے تقدس کی پامالی، سانس پھولنے کی صورت میں نماز میں پڑھی جانے والی دعاؤں کے پڑھنے میں دقت، چوٹ لگنے کا اندیشہ، دوسروں کو تکلیف پہنچنے کا خدشہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منع کرنے کے باوجود اس کا ارتکاب۔

---

(27) صحیح بخاری

(28) ردالمختار

اس پہلو پر بھی سوچنے اور غور کرنے کی ضرورت ہے کہ جب آپ کو مؤذن نے نصف گھنٹہ پہلے اطلاع دے دی تھی، جب اللہ پاک نے ہر شخص کو موبائل اور گھڑی عطا فرما رکھی ہے ،اس کے باوجود آپ نے مسجد پہنچنے میں اتنی تاخیر کیوں کی؟تاخیر سے پہنچنے کی صورت میں اور بھی کئی نقصان ہوئے مثلاً نماز سے پہلے کی سنتیں رہ گئیں، سنتیں نہ پڑھ سکنے کی صورت میں ثواب سے بھی محرومی ہوئی، مسجد میں کچھ دیر اعتکاف کی نیت سے بیٹھتے تو ثواب سے مالامال ہوتے وہ ثواب بھی گیا، نماز کے شروع کے مراحل اقامت، تکبیر، تلاوت اور حالت قیام کے فضائل وغیرہ سے بھی محرومی ہوئی۔ان تمام محرومیوں کے ذمہ دار صرف آپ ہیں۔ کیا پتہ نماز کے کس حصہ میں الٰہی رحمت اور توجہ ہماری طرف مبذول ہوئی ہو، بہت ممکن ہے اس حصہ میں ہوئی ہو جس کو قیام کہا جاتا ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ سجدہ میں ہوئی ہو جس کے بارے میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

عليك بكثرة السجود؛ فإنك لن تسجد لله سجدة إلا رَفَعَكَ الله بها دَرَجة، وحَطَّ عنك بها خَطِيئة[29]

”کثرت سے سجدے کیا کرو۔ تم جب بھی سجدہ کرتے ہو، اللہ تعالی اس کے بدلے میں تمہارا ایک درجہ بڑھا دیتے ہیں اور ایک گناہ معاف کر دیتے ہیں“

(29)مسلم

ایک اور روایت میں ہے:

أَقْرَبُ مَا يَكُونُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهِ وَهُوَ سَاجِدٌ، فَأَكْثِرُوا الدُّعَاءَ۔[30]

"بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے لہٰذا تم (سجدے میں) خوب دعا کیا کرو"

اسی لئے بہت سے حضرات نے نماز کے ارکان میں سب سے اہم اور افضل سجدے کو بتایا ہے جب کہ بہت سے فقہا نے قیام کو افضل بتایا ہے۔

بہر حال ہماری معروضات کا حاصل صرف یہ ہے کہ نماز کا کوئی بھی رکن دیدہ ودانستہ چھوڑنا اور چھوٹنا نہیں چاہئے جس طرح نماز افضل العبادۃ ہے اسی طرح اس کا ہر رکن نہایت فضیلت اور اہمیت کا حامل ہے۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال رہی تو ان شاء اللہ ارکان نماز بالخصوص قیام، رکوع، سجود اور قعود پر تفصیل سے عرض کروں گا۔

---

(30) رواہ مسلم

کیا مسجدیں قید خانہ ہیں؟

میں پنج وقتہ نمازیوں کی بات نہیں کررہا، بات کررہاہوں اُن مہمانوں کی جو ہفتہ میں ایک مرتبہ صرف جمعہ کے دن صرف دو رکعت نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں تشریف لاتے ہیں اور پنج وقتہ نمازیوں کو جمعہ کے دن ہی حقیقت میں مسلمانوں کی تعداد کا صحیح اندازہ ہو پاتا ہے۔ یہ قوم جمعہ کے دن جب مسجد میں داخل ہوتی ہے تو عام طور پر مسجد کے اندر پہلے سے موجود نمازیوں سے پوچھتی ہے کہ "ٹوپیاں کدھر رکھی ہوئی ہیں"؟

یہ قوم اگرچہ مسلمان ہے خود کو خالص مسلمان سمجھتی بھی ہے بس صرف نمازیں نہیں پڑھتی، روزے میں غفلت کرتی ہے، حج نہ کرنے کا تو معقول بہانہ ہے، زکوۃ کا تو تصور بھی نہیں ہے کیونکہ زکوۃ تو صرف وہی خیر خواہ دیتے ہیں جو عام طور پر پنج وقتہ نمازی ہوتے ہیں یا جن کو خوف خدا ہوتا ہے۔

جمعہ کی نماز سے پہلے کی سنتیں رسول اللہ اور صحابہ سے قولاً و فعلاً ثابت ہے اور یہی جمہور کا مسلک ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام جمعہ سے پہلے چار رکعت نماز پڑھتے تھے [31]

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلى قبل الجمعة أربعاً وبعدها أربعاً [32]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ سے پہلے چار رکعت اور جمعہ کے بعد چار رکعت ایک سلام سے پڑھتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ جمعہ سے پہلے چار رکعت پڑھتے تھے [33] (طحاوی شریف)۔ حضرت عمرو بن سعید بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ جمعہ سے پہلے چار رکعت پڑھتے تھے **كنت أرى أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فإذا ازالت الشمس يوم الجمعة قاموا فصلوا أربعاً۔**

---

(31) ابن ماجہ

(32) معجم اوسط

(33) طحاوی شریف

امام ترمذی نے تو باقاعدہ باب باندھا ہے "**باب ما جاء فی الصلاۃ قبل الجمعۃ وبعدہا**" اور ثابت فرمایا ہے کہ نماز جمعہ سے پہلے چار رکعت اور جمعہ کی نماز کے بعد چار رکعت سنت موکدہ ہیں اسی طرح اخیر کی دو رکعت بھی سنت ہیں۔

ہر جمعہ کو اپنے ہم مذہبوں، ہم قوموں اور ہم کلموں کو دیکھتے ہیں کہ وہ نماز کے لئے بالکل وقت پر مسجدوں میں پہنچتے ہیں، اگرچہ اذان نصف گھنٹہ پہلے ہو چکی ہے لیکن مسلمانوں کی بڑی تعداد اپنے گھروں میں، دکانوں اور چائے خانوں میں بیٹھی گھڑیاں دیکھتی رہتی ہے، انھیں گوارہ ہی نہیں ہے کہ وہ خطیب کی چند دینی باتیں ہی سن لیں کہ ممکن ہے ان پر عمل کی توفیق مل جائے۔

خدا جانے مساجد میں طبیعت نہیں لگتی یا نماز میں ہی سب کو ایک ساتھ سنت موکدہ سے بھی زیادہ ضروری کوئی کام یاد آجاتا ہے کہ اِدھر امام صاحب نے سلام پھیرا اُدھر بھگدڑ شروع، مسجد سے نکلنے کا انداز بھی ایسا ہوتا ہے جیسے پیچھے سے پولیس ڈنڈے سے مار رہی ہو اور انسانی ہجوم اُن ڈنڈوں سے بچنے کے لئے ایک دوسرے کو روند کر نکلنے کے لئے بے تاب وبے قرار ہو۔

میرے گاؤں مرزاپور کی مسجد کی پیشانی پر ایک عبارت لکھی ہوئی ہے اور کیا خوب لکھی ہوئی ہے:

المؤمن في المسجد كالسمك في الماء والمنافق في المسجد كالطير في القفص۔

(مومن مسجد میں ایسے ہوتا ہے جیسے مچھلی پانی میں اور منافق ایسے ہوتا ہے جیسے پرندہ پنجرے میں)۔

شیخ اسماعیل بن محمد عجلونیؒ کا ارشاد ہے کہ یہ حضرت امام مالک بن دینارؒ کے کلام سے ملتا جلتا ہے۔

بہرحال مجھے اس سے کوئی بحث نہیں ہے کہ یہ کلام کس کا ہے بس عرض صرف اتنا کرنا ہے کہ کلام ہے زبردست، ایک ایک جملہ مبنی بر حقیقت ہے، ہم جب تک مسجد میں رہتے ہیں باہر نکلنے کی سوچتے رہتے ہیں، نماز کے وقت آپ اچھے خاصے لوگوں کو دیکھیں گے کہ وہ جماعت کا وقت ہوتے ہی گھڑیاں دیکھنا شروع کردیتے ہیں اور اگر ایک آدھ منٹ امام سے دیر سویر ہوجائے تو آفت آجاتی ہے۔ حالانکہ خطیب اور مقرر روزآنہ بتاتا ہے کہ مسجد میں جو وقت گزرتا ہے وہ اعتکاف کی طرح باعث ثواب ہے اور ہر نمازی جب مسجد میں داخل ہو تو اس کو اعتکاف کی نیت بھی کرلینی چاہئے تاکہ تمام کا تمام وقت عبادت میں لکھا جائے اور نماز کے

بعد یہی گھڑی دیکھنے والے لوگ مسجد کے باہر گھنٹوں لایعنی بحثوں اور بکواس میں قیمتی وقت ضائع کردیتے ہیں۔

بہت سے لوگوں کی تو عادت ہوگئی ہے کہ وہ سنتوں کے ساتھ فرائض بھی اپنے گھر میں ہی ادا کرتے ہیں انھیں کون سمجھائے کہ بھائی! **صلاة الرجل في بيته بصلاة وصلاته في مسجد القبائل بخمس وعشرين صلاة**۔ یہ سرکاردوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اور یہ حدیث مشکوۃ شریف کے اندر موجود ہے اور اگرآپ کی دیکھادیکھی سب ہی لوگ اسی طرح اپنے اپنے گھروں میں فرائض ادا کرنے لگے تو مساجد جو اسلامی شعائر ہیں، اسلامی قلعے ہیں ان کا کیا ہوگا؟ اور ثواب پانے کے لئے تو ہر مسلمان کو زیادہ زیادہ مساجد میں پہنچنا چاہئے تو پھر آپ ہمیشہ پیچھے کیوں رہ جاتے ہیں۔ کیا اپنے اپنے گھروں میں بلاعذر شرعی کے نماز باجماعت پڑھ لینے سے مساجد کی حق تلفی نہیں ہوتی؟ کیاآپ کے اس عمل سے عوام اچھاتاثر لیں گے؟ کیارسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم بغیر عذر کے کبھی مسجد میں آنے سے رکے ہیں؟۔ کیا صحابہ کے طرز اور عمل سے اس کی کہیں اجازت اور چھوٹ ملتی ہے؟ کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان لوگوں کے یہاں نماز کے بعد نہیں پہنچ گئے جن کو مسجد میں جماعت میں نہیں پایااور پھر ان سے کیا فرمایا؟ یہ سب آپ بھول چکے ہیں یا بھلا چکے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

''اگر تم منافقوں کی طرح بلا عذر مسجدوں کو چھوڑ کر اپنے گھروں میں نماز پڑھنے لگو گے تو اپنے نبی کی سنت کو چھوڑ بیٹھو گے اور اگر اپنے نبی کی سنت کو چھوڑ دو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔''(34)

نسائی شریف میں ایک حدیث شریف ہے جس میں ایسے سات لوگوں کا ذکر فرمایا گیا جن کو اللہ تعالیٰ قیامت میں سایہ عطا فرمائے گا ان میں چوتھے نمبر پر ارشاد ہے: وہ آدمی جس کا دل مسجد میں اٹکا رہتا ہے۔ **وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسَاجِدِ۔**

اللہ تعالیٰ کو جوانوں کی عبادت پسند ہے، بوڑھا انسان تو گھر کے ہلہ گلہ، شور شرابہ، چیخ وپکار اور بچوں کے کھیل کود سے پریشان ہو کر مسجدوں کا رخ کر ہی لیتا ہے، مسجدوں میں رہتے ہوئے وہ ذکر واذکار نہیں کرے گا تو کیا کرے گا، تلاوت اور عبادات میں مشغول نہیں رہے گا تو کس چیز میں مشغول ہو گا، سچ بات تو یہ ہے کہ ''وقت پیری گرگ ظالم می شود پرہیز گار''۔

بوڑھوں کو بڑھاپے میں مساجد میں آنا اور یہاں دیر دیر تک رک کے رہنا گھریلو جھنجھٹوں سے چھٹکارا بھی ہوتا ہے۔ جب کہ نوجوان کی ابھی کھیل کود کی عمر ہے، اس کے ساتھی اور دوست احباب اسے کھیل کود کی دعوت دیتے ہیں، اس کے پاس سائیکل سے لے کر بڑی گاڑیوں تک مٹر گشتی کا سامان ہے، اس کی جیب میں بڑا سا موبائل ہے جس میں ہر قسم کے لہو ولعب ہیں،

---

(34) مسلم

شراب وشباب کی رنگینیاں اسے دعوت گناہ دے رہی ہیں پھر بھی ایسا نوجوان اگر برائیوں سے کنارہ کشی اختیار کرتا ہے، مسجدوں کا رخ کرتا ہے تو ایسے نوجوان کی عبادت اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ مقامات، مساجد ہیں اور سب سے زیادہ ناپسندیدہ مقامات، بازار ہیں۔"

أَحَبُّ البلاد إلى الله مَساجِدُها، وأبغض البلاد إلى الله أَسْوَاقُها۔

مسجد میں آنے والے اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں، مسجد کی حاضری رحمت الٰہی کا ذریعہ ہے، جن لوگوں کا مساجد کی طرف بکثرت آنا جانا ہو ان کے ایمان کی گواہی دینے کا ہمیں حکم ہے، مساجد سے محبت صحیح اور سچا مسلمان کرتا ہے، وہی بار بار مساجد میں آنا جانا رکھتا ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھے اور پھر اپنی جگہ بیٹھا رہے؛ یہاں تک کہ اشراق کا وقت ہو جائے اور پھر اٹھ کر (کم از کم) دو رکعات اشراق کی نماز پڑھ لے تو اس کو ایک حج اور ایک عمرے کا ثواب ملتا ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل)

جن کو مسجد سے محبت نہیں ہے یا جن کو اللہ تعالیٰ نے توفیق ہی نہیں دی ہے وہ پوری پوری زندگی تحیۃ المسجد کے نام سے دو رکعات نماز نہیں پڑھ پاتے اور جن کو اللہ پاک نے توفیق سے نواز دیا ہے وہ فرض نمازوں کے علاوہ دیگر مسنون نمازیں بھی پابندی سے پڑھتے ہیں۔

تحیۃ الوضو اورتحیۃ المسجد سنت ہیں ہم سب کو یہ نمازیں بھی پڑھنے کی عادت ڈالنی چاہئے، بہت غفلت اس سلسلہ میں ہم سے ہوتی ہے۔

تحیۃ المسجد پڑھنے سے دل میں مسجد کا احترام پیدا ہوتا ہے، یہ بمنزل سلام کے ہے کہ آدمی جب کسی کے گھر جاتا ہے تو گھر والے کو ملتے وقت سلام کہتا ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں: کہ بعض نے تحیۃ المسجد کو مسجد کے رب کو سلام قرار دیا ہے، کیونکہ اس کا مقصد حصول قرب الٰہی ہے نہ کہ حصول قرب مسجد، جیسا کہ بادشاہ کے گھر میں داخل ہونے والا بادشاہ کو سلام عرض کرتا ہے نہ کہ اس کے گھر کو۔(35)

بہرحال مساجد سے محبت پیدا کیجئے ،اپنے فارغ اوقات کو بھی ادھر ادھر کی بجائے مساجد میں گزاریئے کیونکہ مساجد میں آپ جب تک رہیں گے رکیں گے ہر قسم کے گناہوں سے بچیں گے اور ان شاءاللہ عبادات کی توفیق بھی ملے گی۔

---

(35)حاشیہ ابن قاسم

مسلمان، مساجد اور جوتے

جون جولائی کا مہینہ تھا، میں نے اپنے موبائل سے سلیپر کلاس کا ٹکٹ نکالا، سیٹ پر پہنچا، لیٹ کر ''کہاں گئے یہ لوگ'' پڑھنا شروع ہی کیا تھا کہ نہایت سڑی ہوئی بدبو نے اچانک مزاج کو مکدر کر کے رکھ دیا، میں سوچ میں پڑ گیا کہ اتنی دیر تک تو ماحول ٹھیک ٹھاک تھا یہ عجیب قسم کی بدبو کہاں سے آنے لگی، میں تھوڑا سا بے باک بھی واقع ہوا ہوں، اپنے قریب بیٹھے لوگوں سے پوچھا کہ ہم لوگ کافی دیر سے پرسکون بیٹھے تھے یہ اچانک بدبو کہاں سے آنے لگی ہے۔ایک صاحب نے اوپر والی سامنے کی سیٹ پر بیٹھے ایک نوجوان کی طرف اشارہ کیا کہ اس بدبو کا ذمہ دار یہ لڑکا ہے۔اس نے جیسے ہی سیٹ پر پہنچ کر جوتے اتارے پورے کیبن میں بدبو ہی بدبو پھیل گئی ہے۔ میں نے اُس نوجوان سے نیچے اتر کر پاؤں دھو کر پھر بیٹھنے کے لئے بولا، اس نے ایسا ہی کیا اور اپنے جوتے ایک کاغذ میں لپیٹ کر بیگ میں ڈالے۔

اصل میں انسان جس ماحول میں رہتا ہے اسی میں رچ بس جاتا ہے، ہم ٹھہرے مدرسہ والے، جہاں ماشاء اللہ اکثریت صاف شفاف، معطر اور معنبر رہتی ہے، کم از کم پانچ سات بار وضو کی بھی توفیق مل ہی جاتی ہے، لیکن ہمارا نوجوان طبقہ عموماً اور خاص کر عصری تعلیم یافتہ طبقہ

جوتے تو بہت شوق سے پہنے گا، مئی جون کے موسم میں بھی موزے چڑھا کر رکھے گا، پورا پورا دن جوتے اتارنے کی نوبت نہیں آئے گی تو پھر اس کا نتیجہ یہی ہو گا پہلے موزے پھر پیر اور پھر جوتے ہی بدبودار ہوتے چلے جاتے ہیں۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جوتے پہنے بھی ہیں اور جوتے پہننے کی ترغیب بھی دی ہے، جوتوں سے پیروں کی حفاظت بھی ہوتی ہے اور جوتے زینت کا حصہ بھی ہیں، جس طرح ہم اپنے کپڑوں پر توجہ دیتے ہیں جوتے بھی اسی توجہ کے محتاج ہوتے ہیں، بلکہ جوتے چونکہ پیروں میں رہتے ہیں جن کو گندگی، کیچڑ، پانی، مٹی وغیرہ سے سابقہ پڑتا ہے اس لئے جوتوں کی دیکھ ریکھ زیادہ کرنی چاہئے۔

جوتوں کے معاملہ میں ہمارا بڑا طبقہ نہایت ہی غیر ذمہ دار واقع ہوا ہے مثلاً ہمیں حکم دیا گیا کہ جب جوتے پہنو تو پہلے جوتوں کو خوب صاف کرلو، جھاڑلو تاکہ خدانخواستہ اندر کوئی موذی جانور اور کنکر پتھر ہو تو اس سے پیروں کو بچایا جاسکے،اسی طرح ہمیں حکم دیا گیا کہ پہلے دایاں پیر جوتے میں ڈالیں پھر بایاں پیر بائیں جاتے میں ڈالیں۔بہت سے پڑھے لکھے لوگ جوتے اتار کر دائیں ہاتھ میں لے کر چلنا شروع کردیتے ہیں حالانکہ ہمیں حکم دیا گیا کہ جوتے ہمیشہ بائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور اس کے متصل والی انگلی سے اٹھائیں۔اسی طرح بعض عقیدت مند تو ایسے بھی ہیں جو جوتوں کو ان کی جگہ رکھ کر ہاتھ دھوئے بغیر ہی مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھادیتے ہیں۔بعض تواُن سے بھی آگے ہیں جو بیت الخلاء سے نکلتے ہیں، ابھی ان کے ہاتھ گیلے ہیں اور سامنے

آپ مل گئے تو فوراً مصافحہ کے لئے بڑھادیتے ہیں۔کچھ نمونے ایسے بھی ہیں جوتازہ تازہ وضو سے فارغ ہوئے ہیں، پانی کے قطرات ابھی ٹپک رہے ہیں اوراپنے شیخ یااستاذ محترم کے سامنے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھادئے۔اللہ کے بندے یہ بھی نہیں سوچتے کہ سردی کاموسم ہے، بزرگ استاذ نے سردی سے حفاظت کی خاطر اپنے ہاتھ اپنی چادر میں چھپارکھے ہیں ایسی حالت میں کم از کم صرف سلام سے کام چلالیں ورنہ کم از کم اپنے ہاتھوں کو تولیہ وغیرہ سے خود پونچھ لیں تاکہ انھیں زحمت نہ ہو۔

میں نے ایک صاحب علم کو دیکھا وہ مسجد کے کافی اندر جاکر جوتے اتارتے تھے، مجھ سے برداشت نہ ہوا، میں نے کہا کہ محترم !آپ کے جوتے زیادہ مقدس ہیں یامسجد زیادہ مقدس ہے یاآپ نے اپنے ہی تقدس کو ملحوظ رکھاہے ؟ پھر میں نے کہا کہ آپ اگر جوتے اتنے مبالغہ کے ساتھ مسجد کے اندر لائیں گے تو یقین کیجئے کہ آپ کے طلبہ منبر تک جوتوں سمیت پہنچنا شروع کردیں گے اور جب کبھی کتاب اللباس پڑھائیں گے وہاں جوتوں کے پہننے اور اتارنے کی سنتیں آپ طلبہ کے سامنے بیان کریں گے تو طلبہ ایک طرف آپ کی تقریر سنیں گے دوسری طرف آپ کے اِس عمل کو بھی تولیں گے۔

عوام غلطی کریں تودل کہتاہے کہ درگزر کرو کیونکہ ان کو شاید اب تک کسی نے بتایاہی نہیں ہوگا لیکن علمائے دین اور طلبہ کرام اگر کوئی ایسی ویسی حرکت کردیں تومزاج کامکدر ہونا یقینی

ہے ،اگر کسی صاحب کے دائیں ہاتھ میں چپل جوتے ہوں اور بائیں ہاتھ میں کتاب ہو تو آپ کیا کہیں گے ،اتنی موٹی کتاب یہ بندہ پڑھ کر بھی وہیں کا وہیں رہا۔

میں ایک دفعہ گولڈن ٹیمپل امر تسر گیا،زبردست صفائی تھی، عملہ بھی خوب ایکٹیو تھا،کسی کے بھی سر ننگے نہیں دکھائی دئے، گولڈن ٹیمپل کے شروع حصہ میں ہی مجھ سے میرے جوتے لے لئے گئے ،اندر پہنچا تو عملہ نے کتنی ضیافت اور محبت سے نوازا میں بتانے پر آؤں تو پورا مضمون تیار ہو جائے گا۔واپسی پر جس شخص نے مجھ سے میرے جوتے لئے تھے اسی نے میری طلب سے پہلے ہی میرے جوتے نہایت ادب سے دئے میرے سامنے رکھ دئے،میری نظر اپنے جوتوں پر پڑی تو دنگ رہ گیا،کیونکہ میرے جوتے پیدل چلنے کی وجہ سے غبار آلود تھے لیکن اب بالکل صاف شفاف ،پالش سے چمکتے ہوئے۔میں نے پالش کے پیسے دینے چاہے تو ہمیں بتایا گیا کہ یہ چیز ہمارے یہاں مہمانوں کی ضیافت اور خدمت میں شامل ہے پیسے نہیں لئے جائیں گے۔

ایک ہماری جامع مسجد دہلی چلے جائیں، جگہ جگہ آپ کو بے پردہ کھلے سر خواتین دکھائی دیں گی،مائیں تو پھر بھی پردے میں مل جائیں گی لیکن ان کی جوان بیٹیاں شاید مسجد کے ہر شخص کو اپنا ’’بھائی‘‘ سمجھتی ہیں۔مسجد میں آپ کی مرضی جہاں چپل جوتے رکھ دیں،نہ کوئی جوتوں کی دیکھ ریکھ والا ملے گا،نہ جوتوں کو رکھنے کے لئے کوئی معقول نظم دکھائی دے گا البتہ یہ تو ممکن ہے کہ آپ اپنے جوتے کہیں رکھیں اور پھر قیامت کا انتظار کریں کہ چور آخر وہاں تو پکڑا ہی جائے گا۔

کسی بھی مسجد کے گیٹ پر اپنے اچھے خاصے جوتے اتار دئے تو پھر یقین کریں کہ اتنی دیر میں لوگ آپ کے جوتوں کو روند کر ایسی حالت کر دیں گے کہ آپ اپنے ہی جوتے پہچان نہیں سکیں گے، پہچان بھی گئے تو پہننے میں تامل ہو گا کہ بغیر کفش دوز کے پاس لے جائے کیسے پہنوں۔ دوسری طرف آپ کسی بھی گرجاگھر چلے جائیں، آپ کو نہایت سلیقہ سے چپل جوتے ترتیب وار رکھے ہوئے ملیں گے۔

ہم الحمدللہ صاحب کتاب ہیں، ہمارے پاس ہمارا آخری نبی ہے، ہمارے پاس مستقل دین اور مکمل شریعت ہے۔ ہمارے نبی نے جوتے پہننے، بالوں میں کنگھی کرنے حتیٰ کہ پیشاب اور بیت الخلا جانے آنے بیٹھنے اور صفائی ستھرائی تک کے اصول اور قاعدے بتادئے ہیں تب بھی ہمارا یہ حال ہے۔

ہمارے مظاہر علوم میں ایک استاذ ہیں مفتی محمد راشد ندوی، مفتی صاحب طلبہ کو چپل جوتے اتارنے، رکھنے اور پہننے کی خاص طور پر تعلیم و تاکید اور ہدایت کرتے رہتے ہیں اس کا نتیجہ ہے کہ آپ دیکھیں گے جن جن درجات میں مفتی صاحب موصوف سبق پڑھانے جاتے ہیں وہاں طلبہ کے چپل جوتے نہایت سلیقے اور قرینے سے رکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ دیگر قومیں ہمارے ایک ایک فعل کو ناپتی اور تولتی ہیں، تول رہی ہیں، تولتی رہیں گی۔ ہمیں خود ہی بیدار اور ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ صرف اپنے نبی کو ماننے سے کام نہیں چلے گا جب تک ہم نبی کی نہیں مانیں گے کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔

نفس نفس خوشی گذارتے چلے گئے

(والد ماجد کے بارے میں لکھی گئی چند یادیں اور باتیں)

اے جوش الم کب تک گریہ ! دل آج یہ ڈوبا جاتا ہے

موجیں ہیں کہ بڑھتی جاتی ہیں، طوفاں ہے کہ امڈا آتا ہے

میرے والد ماجد ۸؍ جنوری ۲۰۱۲ء کی صبح تقریباً آٹھ بجے کم و بیش دو ماہ علالت کے بعد کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے مولائے حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

بدعت وخرافات سے نجات:

والدماجد کانام نامی نظام الدین تھا،آپ نے بدعت زدہ علاقہ لکھیم پور کھیری کے ظلمت کدہ ''مرزاپور'' میں تقریباً ۸۰ سال پہلے آنکھیں کھولیں ،اس وقت پوراعلاقہ کفر وضلالت اور بدعت وگمراہی کی لپیٹ میں تھا،خودآپ کے آباء واجدادبدعت کے ہر موقع پر نام ونمود کا فخریہ اظہاراور تعزیہ داری کا مکمل اہتمام کرتے تھے،ماحول کے اثرات سے آپ بھی محفوظ نہ رہے اورآپ نے بھی اپنی نوجوانی میں ان بدعات ورسومات میں خوب خوب حصہ لیا۔۔اسی زمانہ میں علاقہ میں مولوی محمد رضانامی ایک بزرگ کواللہ تعالیٰ نے علماء دیوبند کی صحبت میں بیٹھنے سے دینی فہم عطاکیا اور انہوں نے بدعت وضلالت کے اس ظلمت کدہ کورشدوہدایت کے آفتاب عالم تاب سے روشن کرنے کی کوششیں شروع کیں۔دھیرے دھیرے بدعت کے بادل چھٹنے لگے اورسب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جس خاندان کوان بدعات سے تائب ہونے کی توفیق بخشی اس میں میرے والدماجد کاخانوادہ بھی تھا۔

علاقہ کاحال:

آپ کے زمانہ میں سیکڑوں کلو میٹر تک کہیں بھی کوئی دینی مدرسہ نہ تھااورنہ ہی آج کل کی طرح پختہ سڑکیں تھیں،نہ ہی نقل وحمل کے اسباب وذرائع تھے اورنہ ہی آمدورفت کی سہولتیں مہیاتھیں،نہ توطلبہ تھے اورنہ ہی اساتذہ،نہ ہی کتابیں،ایسے وقت میں مولوی

محمد رضا صاحبؒ نے اللہ فی اللہ جن نوجوانوں کو دینی تعلیم کی طرف راغب کیا ان میں میرے والد ماجدؒ کا نام نامی اسم گرامی بھی شامل ہے۔

مولوی محمد رضاؒ اپنے وقت کے ولی اور علاقہ کے پہلے ہر دلعزیز بزرگ تھے، اور اپنی گھوڑی پر بیٹھ کر قرب وجوار میں جاجا کر مسلمانوں کو راہ راست پر لانے کی کوشش کرتے تھے، اس کی پاداش میں انھیں زدو کوب بھی کیا گیا، لہولہان بھی ہوئے اور ہر طرح کی سختیاں بھی برداشت کیں اور پھر چشم فلک نے دیکھا کہ ان ہی کی محنتوں کا ثمرہ اور نتیجہ ہے کہ آج خود ان کے گاؤں میں پچاس سے زائد علما اور حفاظ دین اسلام کا نام روشن کر رہے ہیں۔

نیک صحبت کا نتیجہ:

میرے والد ماجدؒ زیادہ پڑھے لکھے نہیں تھے البتہ علماء کی صحبتوں میں بیٹھنے کی برکت تھی کہ انھیں سیکڑوں آیات اور مسنون دعائیں یاد تھیں، کس موقع پر کون سی آیت اور دعا پڑھی جائے گی اس کا ملکہ حاصل تھا، شاعر نہیں تھے لیکن شعر سن کر بتادیتے تھے کہ یہ شعر صحیح ہے یا غلط، حالانکہ خود اس کی تصحیح پر قادر نہیں تھے، آپ کی اردودانی بھی بالکل ابتدائی تھی اسی لئے بارہا مجھے تاکیداً فرمایا کرتے کہ تمہاری تحریروں میں مشکل الفاظ میری سمجھ سے بالاتر ہوتے ہیں۔

صرف صغیر اور صرف کبیر کی گردانیں احقر نے والد صاحبؒ ہی سے سن سن کر اس وقت یاد کرلی تھیں جب ناظرہ پڑھنا شروع کیا تھا، والد صاحبؒ کو دینی تعلیم سے نہایت دلچسپی

تھی اور انگریزی تعلیم سے شاید بیر تھااسی وجہ سے اپنی کسی بھی اولاد کونہ توانگریزی پڑھنے کی طرف راغب کیااور نہ ہی کبھی اسکولوں میں داخل کرانے کی کوشش کی۔

بھلائی کے کاموں میں دلچسپی:

چندہ دینے اور خیر کے کاموں میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے، کبھی بھی کسی مدرسہ کے سفیر کومایوس نہیں کیااور ہمیشہ چندہ دے کر خوشی کااظہار فرماتے تھے اور کبھی کبھی فرط مسرت میں فرماتے کہ چندہ کے نام سے جو بھی رقم یاغلہ دیاجاتاہے وہی اصل ذخیرہ ہے۔

مسجد کی تولیت:

مساجد کے سنگ بنیاد کے موقع پر قبلہ کارخ اور صحیح سمت کیاہوگی؟ اس کا بھی ملکہ تھااور قرب وجوار میں متعدد مساجد کے سنگ بنیاد کے موقع پر تشریف لے جاتے تھے۔تاحیات گاؤں کی مسجد کے متولی رہے لیکن کبھی بھی کسی کو شکوہ کاموقع نہ دیا،آپ کی امانت داری علاقہ میں مشہور تھی، متعدد لوگوں کی امانتیں آپ کے پاس اتنی رازداری کے ساتھ جمع رہتی تھیں کہ گھر والوں کو بھی پتہ نہ چلتا تھا۔

زراعت میں مہارت:

آپ کا کاروبار زراعت تھااوراس فن میں بھی اللہ تعالیٰ نے بڑی مہارت عطافرمائی تھی،پورے گاؤں کے لوگ بلا تفریق مذہب وملت آپ کاادب واحترام کرتے اورآپ کے مفید مشوروں سے فائدہ اٹھاتے تھے،مشورہ دینے میں بھی والد صاحب بے مثال تھے،خود میں نے دیکھا کہ آپ کے حاسدین اور معاندین بھی بوقت ضرورت آپ کے پاس پہنچتے اور مشورہ کے خواہاں ہوتے اوروالدصاحب المستشار مؤتمن کے مد نظر صحیح اور بہتر مشورہ سے نوازتے۔اختلاف کرنے کی عادت نہیں تھی،جب اور جہاں مناسب سمجھتے مشورہ دیدیتے،آگے اپنی رائے کے تسلیم کرلینے پر اصرار کبھی نہیں کرتے تھے۔

حسن اخلاق:

آپ کی زندگی کاسب سے اہم پہلوآپ کااخلاق حسنہ تھا،چھوٹاہویابڑا،ہر شخص سے آپ غایت شفقت سے گفتگوفرماتے تھے،بات کو طول دینایاخودرائی کاشکارہونامعیوب تصور فرماتے تھے اسی لئے آپ کو عجب اور گھمنڈ والے لوگ پسند نہیں تھے،سلام میں پہل آپ کی عادت تھی،ملنساری اور تواضع آپ کی فطرت تھی،خندہ پیشانی کے ساتھ گفتگو کرناآپ کی طبیعت ثانیہ اور جھگڑے کی جگہوں سے دوررہناآپ کی نصیحت تھی،پوری زندگی میں کبھی کسی کو سخت اور سست نہیں کہا،دشمنوں کی ہدایت کی دعاکرتے اور ہم لوگوں کو ہمیشہ ایک نصیحت فرماتے کہ

''دشمنوں سے مقابلہ مت کرو،اگر تمہارادشمن کوئی بھی ناجائز کام کررہاہے تواس کوپہلے توسمجھاؤاور بعد میں پورامعاملہ اللہ کے سپرد کردد، صبر سے کام لوکیونکہ میں نے صبر سے زیادہ آنچ کسی چیز میں نہیں دیکھی،مجھے اللہ تعالیٰ نے جوعزت بخشی ہے اس میں بھی اسی صبر کودخل ہے کیونکہ میں نے کبھی بھی پیمانۂ صبر کولبریز نہیں ہونے دیاہے جس کا نتیجہ تم لوگ دیکھ رہے ہو''۔

کبھی بھی کسی سے ہاتھاپائی کی نوبت نہیں آئی اورنہ ہی اس مزاج کے لوگوں کوپسند کیا،ہمیشہ ایسے جھگڑالو لوگوں سے دوررہنے کی نصیحت فرماتے اورکہتے کہ جھگڑالولوگ بہت جلد معاشرہ میں اپناوقار کھودیتے ہیں۔

قوت فیصلہ:

والدماجدؒقرب وجوار میں فیصلوں اورمیٹنگوں میں بھی بلائے جاتے اورآپ کی رائے ہی حرف آخراورآپ کا قول ہی قول فیصل ہوتا۔

آپ حکیم تونہیں تھے لیکن جڑی بوٹیوں اوران کے خواص کااچھاخاصاعلم رکھتے تھے، کس مرض میں کون سی جڑی بوٹی مفید رہے گی اس کاعلم رکھتے تھے،یہی وجہ سے کہ قرب وجوار کے ہندواور مسلمان سبھی اس سلسلہ میں بھی مشورہ کے لئےآتے رہتے تھے۔

آپ اپنی تمام اولاد کو زیور علم سے آراستہ کرنے کا خواب دیکھتے رہے اور اس سلسلہ میں ممکنہ کوششیں بھی فرمائیں لیکن باضابطہ اور باقاعدہ فراغت اور فضیلت کے مقام تک پہنچنے کی سعادت راقم الحروف کے حصہ میں آئی، میرے والد صاحبؒ نے بڑی عسرت اور تنگدستی میں مجھے تعلیم دلوائی، کبھی کبھی سہارنپور آتے وقت اگر نقد رقم نہ ہوتی تو فوراً غلہ فروخت کرکے روپوں کا نظم فرماتے۔

علم دین سے محبت:

1988ء میں مدرسہ امدادالعلوم زید پور میں میرا داخلہ کروانے کے لئے بہ نفس نفیس تشریف لے گئے، اس وقت احقر صرف گیارہ سال کا تھا، والد صاحب جب واپس گھر جانے لگے تو میں رو پڑا، والد صاحبؒ نے اپنے چہرے پر بشاشت طاری کرکے میری ہمت بندھائی اور فرمایا کہ دو ماہ کی بات ہے قربانی میں تعطیل ہوگی تو گھر آجاؤ گے، یہ کہتے کہتے خود والد صاحب کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔

کیا بتاؤں اور کیسے بتاؤں کہ اس وقت میرے والد صاحبؒ نے کتنی مشقتیں میری تعلیم کی خاطر برداشت کیں، میرے گاؤں سے تقریباً ۱۵ کلو میٹر کے فاصلہ پر ''سسیا چوراہا'' نامی ایک جگہ ہے جہاں سے بسیں ملتی تھیں، والد صاحبؒ مجھے اپنی سائیکل کے اگلے حصے پر بٹھالیتے اور سائیکل کے پچھلے حصہ پر میرا صندوق رکھ لیتے (اس وقت اچھا بیگ یا معیاری سوٹ

کیس خریدنا میرے تصور سے بالاتر تھا) اوراس طرح والد صاحب ہر بار ۱۵؍ کلومیٹر کا یہ سفر سائیکل سے طے فرماتے۔

اسی طرح میں جب بھی وطن سے مظاہر علوم آتا تو والد صاحبؒ خندہ پیشانی سے الوداع کہتے، والدہ سے بھی کہہ رکھا تھا کہ جاتے وقت اپنی آنکھوں میں آنسو مت آنے دینا، اسی طرح میرے سفر کے دوران مسلسل دعا فرماتے کہ سفر بخیر وخوبی مکمل ہو، تاکید بھی فرماتے کہ پہنچتے ہی فون پر مطلع کرنا۔

ترجمہ قرآن کا مطالعہ:

آپ صوم وصلوۃ اوراوراد ووظائف کے توپابند تھے ہی فجر کے بعد تلاوت قرآن کا معمول میں نے زندگی بھر دیکھا اوراس معمول میں کوئی بھی خانگی یا خارجی پروگرام کبھی بھی حائل نہ ہوا، اسی طرح حضرت شیخ الہندؒ کا ترجمہ اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی کی تفسیر کا معمول بعد نماز عصر تا مغرب کم وبیش بیس سال سے تھا، آپ کے ہم عمر اور حضرت مولوی محمد رضاؒ کے صاحب زادے محترم مولوی ضیاء اللہ صاحب مدظلہ ایک دن بعد نماز ظہر مسجد ہی میں والد صاحب کا تذکرہ کرتے ہوئے رونے لگے اور پھر فرمایا کہ میری بینائی کمزور ہے اس لئے تمہارے والد صاحب عصر کے بعد پہلے تو قرآن کریم کی آیت پڑھتے پھر ترجمہ شیخ الہندؒ پڑھ

کر سناتے اور پھر اس کی تفسیر اور تشریح جو اس کے حاشیہ میں ہے سناتے ،اس طرح ہم دونوں نے مکمل قرآن اس کے ترجمہ اور تفسیر کے ساتھ بالاستیعاب تین بار ختم کیا ہے۔

دینداری:

سادگی کا یہ عالم تھا کہ تقریباً ۱۵ سال سے گھر میں فون ہونے کے باوجود کبھی بھی ازخود فون نمبر نہیں ملا پاتے تھے۔آپ کا لباس، بود و باش اور کھانا پینا سب کچھ سادگی سے عبارت تھا۔

ایک نصیحت خاص کر مجھے فرماتے تھے کہ

"کوشش یہ کرنا کہ مدرسہ تمہیں اپنے لئے بار محسوس نہ کرے اور تم مدرسہ کی جو بھی خدمت کرو اس کا صلہ دنیا میں پانے کی کوشش مت کرنا، مدرسہ کے مال کو مال غنیمت مت سمجھنا اور ذاتی ضروریات کے لئے مدرسہ کو کبھی بھی زیر بار مت کرنا اور کوئی بھی کام جس سے مدرسہ کے وقار پر حرف آتا ہو مت کرنا"۔

شکار سے دلچسپی:

شکار کھیلنا آپ کا خصوصی ذوق تھا چاہے مچھلیوں کا شکار ہو یا چڑیوں کا، چاہے نیل گائے کا شکار ہو یا ہرن کا اس سلسلہ میں جب بھی شکار کی نوبت آتی تو بڑھاپے کے باوجود جوانوں کا سا عزم اور جوش نظر آتا۔

”خفقان قلب“

”خفقان قلب“ جو ایک مرض ہے شروع ہی سے آپ اس کا شکار رہے، انتقال سے تقریباً دو ماہ پہلے کمزوری بڑھ گئی اور پھر چلنے پھرنے سے ہی معذور ہو گئے لیکن آپ کا دل، آپ کی زبان، آپ کا دماغ اور آپ کی آنکھیں اخیر لمحہ تک پورے طور پر کام کرتی رہیں۔

کبھی اپنے پوتے حافظ محمد لئیق سلمہ کو بلاتے اور حکم دیتے کہ یسین شریف پڑھ کر سناؤ، کبھی اپنی پوتیوں کو بلاتے اور یسین شریف پڑھنے کا حکم دیتے، فارغ وقت میں خود ہی ہمہ وقت کلمہ طیبہ اور دعاؤں کا ورد رکھتے، اخیر عمر میں کوئی بیماری نہیں تھی، نہ ہی کوئی تکلیف تھی محض کمزوری تھی، آپ کی آخری تمنا جو پوری نہ ہو سکی یہ تھی کہ میں کچھ دن اور مسجد میں جانے کے لائق ہو جاؤں!

غیبی بشارت:

انتقال سے تقریباً تین ہفتہ پہلے غنودگی کے عالم میں آپ نے کچھ ہرے بھرے خوبصورت لہلہاتے ہوتے باغات دیکھے جس میں طرح طرح کے پھل اور پھول نظر آرہے تھے پھر آنکھ کھل گئی، میری بہن آپ کے سرہانے بیٹھی ہوئی تھیں، والد صاحب انھیں دیکھ کر رونے لگے۔

بہن بھی اباجی کو روتا دیکھ کر رونے لگی، تو فرمایا کہ ابھی ابھی میں نے خواب میں خوبصورت باغات دیکھے ہیں جس میں طرح طرح کے پھل اور پھول ہیں، اور میرے سامنے جو دیوار ہے اس پر خوبصورت نقش و نگار بنے ہوئے ہیں، اِس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اب زیادہ دن کی زندگی نہیں ہے۔

سفر تمام ہوا نیند آئی جاتی ہے:

کلمۂ طیبہ کا ورد تو مستقل تھا لیکن جوں جوں وقت موعود قریب آتا جارہا تھا، اس میں اور کثرت ہوتی جارہی تھی، آپ بلا کسی کی تلقین وہدایت کے خود ہی کلمۂ طیبہ پڑھتے رہے اور دعا کرتے رہے کہ یااللہ ! میری اولاد کو ظالموں کے ظلم سے محفوظ رکھنا، انھیں رزق حلال عطا فرما! انتقال سے چند ساعت قبل پانی پیش کیا گیا تو پینے سے منع فرمادیا۔

لیکن جب بہن نے بتلایا کہ یہ زمزم کا پانی ہے تو فوراً پانی پینے کے لئے تیار ہو گئے اور منہ کھول دیا، پانی پلایا جانے لگا، ایک صاحب سرہانے سورۂ یٰسین شریف پڑھنے لگے، اِدھر پانی کا سلسلہ ختم ہوا، اُدھر سورۂ یٰسین مکمل ہوئی اور والد صاحبؒ نے پھر کلمہ پڑھا اور صبح آٹھ بجے کے بعد روح مبارک قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

نفس نفس خوشی خوشی گذارتے چلے گئے

ترے مریض غم تجھے پکارتے چلے گئے

(آپ سے درخواست ہے کہ میرے اباجی کے لئے دعائے **مغفرت** ضرور فرمائیں)

اے باپ! ہم شرمندہ ہیں!

محرم الحرام ۱۴۴۰ھ کی پندرہ تاریخ تھی، میں اپنی درسگاہ میں بیٹھا بچوں کو پڑھا رہا تھا، دورانِ سبق کسی سے بات کرنا اخلاقاً بھی غلط ہے، ایک صاحب حاضر ہوئے، بجھا بجھا چہرہ، اڑی اڑی رنگت، فکر اور اضطراب کی پرچھائیاں ان کے چہرے بشرے سے ہویدا، سلام کرکے ہاتھ بڑھادیا، میں نے سلام کا جواب تو دے دیا مگر سبق کی وجہ سے ناگواری کے باوجود بھی مصافحہ کیا اور پڑھانے میں مشغول ہوگیا، نووارد نے اجازت طلب انداز میں کہا کہ میں دو باتیں کرنا چاہتا ہوں؟ میں نے کہا سبق کے بعد کرلینا اور جلدی ہو تو دفتر چلے جایئے وہاں حضرت ناظم صاحب بھی ہیں اور دیگر حضرات بھی موجود ہیں اُن سے بات کرلیجئے! اُنہوں نے کہا: صرف ایک منٹ میں اپنی بات پوری کرلوں گا، میں نے بادلِ ناخواستہ کہا کہ کہئے: انہوں نے جب بولنا شروع کیا تو حیرت واستعجاب کی وجہ سے میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

”میں رام پور منہاران کا رہنے والا ہوں، سرکاری نوکری ہے، میں نے ایک دیندار خاتون سے شادی کی، زندگی میں بہت پیسے کمائے، اچھا گھر بنایا، رام پور میں میرے کئی پلاٹ ہیں، لاکھوں روپے میرے بینک اکاؤنٹ میں جمع ہیں، مالی اعتبار سے میں اللہ کے فضل سے بہت

خوش حال ہوں ، اللہ نے ایک بیٹا بھی دیا،اس کی معیاری عصری تعلیم پر ہم دونوں نے خوب روپے خرچ کئے ، تعلیم مکمل ہوگئی توایک اچھے گھرانے سے شادی کردی،میرے بیٹے نے جو ہم دونوں کی آنکھ کاتارا، ہمارے بڑھاپے کاسہارااور ہمارے جگر کاٹکڑاتھا،اس نے اپنی اہلیہ کولے کرالگ گھربنالیا اورہم دونوں گویاجیتے جی مرگئے،میری بیوی اکلوتے بیٹے کی اِس جدائی کوبرداشت نہ کرسکی اورملک عدم کوسدھارگئی،میں دنیامیں اکیلادھکے کھانے کے لئےرہ گیا،اب میری حالت یہ ہے کہ میں پورادن سہارنپورمیں سرکاری نوکری کرتاہوں، رات تھک ہارکرجب گھرجاتاہوں تواتنا بڑاگھرمجھے کاٹ کھانے کودوڑتاہے، میرابیٹا کبھی مجھ سے ملنے نہیں آتا،فون نہیں کرتا،خیرخیریت نہیں بتاتا،گویامیں اس کاباپ ہوں ہی نہیں ؟

نووراد کی باتیں بڑی جگرپاش اوردل خراش تھیں،اُس کی آنکھوں سے بہتے آنسو تیزی سے رواں دواں تھے،بات بھی مسلسل جاری وساری تھی ،قریب تھاکہ میں بھی اپنی غمناک کیفیت اور نمناک حالت پر قابونہ پاسکوں اوررونے میں اس کاساتھ دینے لگوں،مگرمیں نے خودکوسنبھالااورپوچھا: نمازروزے کے پابندہو ؟نووارد نے کہا:

”بالکل جناب ! میں کوئی نماز نہیں چھوڑتااور نماز چھوڑنے کاکوئی حیلہ اوربہانا بھی نہیں ہے ، کھاناہوٹل سے کھاتاہوں،ناشتہ جہاں موقع مل گیاکرلیا، نہیں ملانہیں کیا،کوئی شوق نہیں ،کوئی ذوق نہیں اورسچ پوچھوتوایسی عبرتناک زندگی والاصرف اورصرف موت کاہی

منتظر ہوتا ہے،اس لئے میں ذکرواذکار بھی کرتا ہوں، قاری عاشق الٰہی اسعدیؒ میرے پیرومرشد تھے‘‘۔

میں نے کہا: یہ اس المناک کہانی سنانے کا کیا مقصد ہے؟ بولے:

’’میں صرف یہ چاہتاہوں کہ میرا بیٹا بھلے ہی میرے پاس نہ رہے لیکن بول چال توبند نہ رکھے،آناجاناتوجاری رکھے ،یہ اتنی بڑی جائداد،کئی عدد پلاٹ،بینک بیلنس اِن سب کاوارث وہی توہے، کم ازکم کبھی کبھی اپناچہرہ دکھادے تومیرے بے قرار دل کوقرارآجائے،بس میں یہ چاہتاہوں اورایک مسئلہ معلوم کرناچاہتاہوں کہ میں اپنی طرف سے کہیں مسجد بنوادوں تاکہ کم ازکم میرے دل کاکچھ نہ کچھ بوجھ توہلکاہوگا،کل جب اللہ کے سامنے حاضری ہوگی تومیری بنوائی ہوئی مسجد کے بدلے جنت میں اپناگھرپاکرمیں اپنی مرحومہ کے ساتھ آخرت میں ہی مزے اڑاسکوں گا؟۔

باتیں تواور بھی ہیں جولکھی جاسکتی ہیں اورعبرت آمیز وسبق آموز بھی ہیں لیکن مقصداس واقعہ سے یہ بتاناہے کہ خدارااپنی اولاد کودین کی کم ازکم اتنی تعلیم تودلائیں کہ وہ ماں باپ کے حقوق کوپہچان سکے۔

اِس شخص کی اِس دردناک کہانی کوسن کرمجھے چودہ سوسال پہلے کاایک واقعہ یادآگیا۔

ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوااور شکایت کی کہ میرے والد نے میرا سب مال لے لیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے والد کو بلا کر لاؤ۔ اسی وقت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور عرض کیااے اللہ کے رسول ﷺ جب اس لڑکے کا والد آجائے توآپ ﷺ اس سے پوچھیں کہ وہ کلمات کیا ہیں جواس نے دل میں کہے ہیں اور خود اُس کے کانوں نے بھی ان کو نہیں سنا۔ جب وہ نوجوان اپنے والد کو لے کر آیا۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: آپ کا بیٹا آپ کی شکایت کرتا ہے ، کیا آپ چاہتے ہیں کہ اس کا مال چھین لیں ؟ والد نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! آپ اسی سے پوچھ لیں کہ میں اس کی پھوپھی، خالہ یا اپنے نفس کے سوا کہیں خرچ کرتا ہوں۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ پس حقیقت معلوم ہو گئی۔اس کے بعد آپ ﷺ نے اس کے والد سے دریافت فرمایا وہ کلمات کیا ہیں جو تم نے دل میں کہے اور تمہارے کانوں نے بھی نہیں سنا ؟اس شخص نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ یعنی جو بات کانوں نے سنی اس کی آپ کو اطلاع ہو گئی ؟ پھر اس نے کہا کہ میں نے چند اشعار دل میں پڑھے تھے نبی کریم ﷺ نے فرمایا وہ اشعار ہمیں بھی بتاؤ۔اس صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں نے دل میں یہ کہا تھا۔

”میں نے تجھے بچپن میں غذادی اور جوان ہونے کے بعد تمہاری ہر ذمہ داری اٹھائی تمہارا سب کچھ میری کمائی سے تھا۔ جب کسی رات تمہیں کوئی بیماری پیش آگئی تو میں نے رات نہ گزاری مگر سخت بیداری اور بیقراری کے عالم میں۔ مگر ایسے جیسے کہ بیماری تمہیں نہیں مجھے لگی

ہوئی ہے جس کی وجہ سے تمام شب روتے ہوئے گزار دیتا۔ میرا دل تمہاری ہلاکت سے ڈرتا رہا، اس کے باوجود کہ میں جانتا تھا کہ موت کا ایک دن مقرر ہے۔ جب تو اس عمر کو پہنچ گیا تو پھر تم نے میرا بدلہ سخت روئی اور سخت گوئی بنالیا، گویا کہ تم ہی مجھ پر احسان وانعام کر رہے ہو۔ اگر تم سے میرا حق ادا نہیں ہو سکتا تو کم از کم اتنا ہی کر لیتے جیسا ایک شریف پڑوسی کیا کرتا ہے۔ تو نے مجھے کم از کم پڑوسی کا حق ہی دیا ہوتا۔ میرے ہی مال میں مجھ سے بخل سے کام نہ لیا ہوتا''۔

نبی کریم ﷺ نے جب یہ سنا تو بیٹے سے فرمایا ''انت ومالک لابیک'' کہ تو اور تیرا مال سب تیرے باپ کا ہے۔[36]

حضرت مولانا عبدالشکور دین پوریؒ کا ایک سچا واقعہ یاد آرہا ہے، فرمایا:

''میں چیچہ وطنی سے تقریر کر کے جارہا تھا، کچھ ساتھی ساتھ تھے، ایک آدمی کو دیکھا چارپائی پر بیٹھا تھا، مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں، عجیب حالت تھی؛ چہرہ زرد تھا، گرد وغبار سے اٹا ہوا، پیلے دانت، ہڈیوں کا ڈھانچہ، کمزور سانچہ، اس کے پاؤں پر ایک کپڑا پڑا ہوا تھا، اس کا کوئی ہمدرد نہ غم خوار، میں اُس کے قریب گیا تو کہنے لگا ''مولانا! اِدھر تشریف لائیں!۔ اُس نے کہا مجھے عبرت سے دیکھو، ابھی آپ کی تقریر کی آواز یہاں آرہی تھی اور میں سن رہا تھا، پھر کہنے لگا یہاں میرا مکان تھا، دوکان تھی، کاروبار تھا، میں ایک شیر جیسا بہادر، تندرست وتوانا انسان تھا، لیکن اب

(36) معارف القرآن

بھیک مانگتا ہوں اور اب کوئی بھیک بھی نہیں دیتا، بلکہ مجھ پر لوگ لعنت کرتے ہیں، عبرت کی بات بتارہاہوں،اس نے میرا ہاتھ پکڑااور کافی دیر تک روتارہا۔

کہنے لگاایک رات اپنے بدکردار غنڈے دوستوں کے ساتھ سینمادیکھنے گیاواپسی پر گھر پہنچ کر ماں سے کھانامانگا، توماں نے شرم دلائی کہ ساری رات آوارہ گردی کرتاہے کبھی پولیس پکڑتی ہے، نہ تمہارا باپ ایسا تھا نہ دادااور نہ یہ تیری ماں ایسی ہے، توکن غنڈوں میں پھنس گیا ہے،اس نے اپنی ممتا کا غصہ اتارا مجھ پر۔بس مجھے غصہ آیااور جوتالے کر ماں کو مارنے لگا،اس میں دوجوتے اس کے منہ پر لگے،ماں کے منہ سے اتنی آواز سنی،اے عرش والے!اسی لیے بچہ دیاتھا کہ آج میں جوتے کھارہی ہوں،اے رب مجھے اپنے پاس بلالے،اب مزید جوتے نہیں کھاسکتی، اے رب جس نے ماں کے منہ پر جوتے مارے اس کتے کو تو دنیااور آخرت میں برباد کردے، پھر کہنے لگااس وقت تومیں ماں کی اِن باتوں کو سن کر سوگیا،اسی رات میرے پاؤں میں ایک درد اٹھا، پاؤں لرزنے لگا، صبح تک پاؤں سوج کر بہت موٹاہوگیا،ڈاکٹروں کو دکھایالاہور گیا، ملتان نشتر ہسپتال گیا،آخر پاؤں کاٹناپڑااور پھر مسلسل پاؤں کٹتے گئے۔۔۔کٹتے گئے!

پھراس نے اپنے پاؤں کے حصے سے کپڑااٹھایابہت پیپ بہہ رہی تھی، کہنے لگایہ زخم نہیں ماں کی بدعاہے،اللہ کا قہر ہوامجھ پر،ماں تورورو کرایک ہفتے میں چل بسی، جائداد گئی،مال گیا، بیوی گئی،بیٹے گئے،چار سال سے یہاں پڑاہوں،پیپ مسلسل بہہ رہی ہے،ایسالگتاہے کہ ہر وقت کتے کاٹ رہے ہیں، نیند نہیں آتی، گزرنے والے کہتے ہیں یہ وہ لعنتی ہے جس نے اپنی ماں کو

جوتوں سے مارا ہے، کتے کی طرح میرے سامنے روٹی پھینکتے ہیں، بیٹوں کو بلاتا ہوں تو نہیں آتے، ابا ابا نہیں کہتے، کہنے لگا مولانا مجھ سے میرا روٹھا رب راضی کرادو، ماں کے ایک لفظ نے اللہ کے قہر سے مجھے برباد کر دیا۔ اتنا کہہ کر وہ گر پڑا اور روتا رہا، پھر اس نے آنکھ نہ کھولی، مولانا فرماتے ہیں: خدا کی قسم یہ منظر میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔(37)

ہمارے بڑوں کا کہنا ہے اور بڑے ہمیشہ تجربہ کی کہتے ہیں:

اقتربوا من ابنائکم۔۔۔ وشاوروهم۔۔۔ وحاوروهم۔۔۔ واکسبوهم۔۔۔ قبل ان تخسروهم۔۔۔! اپنے بچوں کے قریب رہا کرو۔۔۔ان سے مشورے کیا کرو۔۔۔تبادلہ خیال کیا کرو۔۔۔اُن کے دل جیت لو۔۔۔ قبل اس کے کہ تم انہیں ہمیشہ کے لئے کھودو۔۔۔

والدین کی سب سے اول اور بڑی ذمے داری، بچوں کی صحیح تعلیم و تربیت ہوتی ہے۔ بچپن اور لڑکپن کا زمانہ بے شعوری و بے خیالی کا دور ہوتا ہے۔

اس وقت بچے بڑوں کے رحم و کرم کے محتاج ہوتے ہیں۔ بچے انہی کو اپنا محسن سمجھتے ہیں جو انہیں اپنے قریب رکھتے ہیں، ان سے پیار کرتے ہیں۔

(37)خطبات دین پوری

بہترین تربیت جو قربت وانسیت سے ممکن ہے، ڈانٹ ڈپٹ اور مار دھاڑ سے ہرگز ویسی ممکن ہی نہیں۔

اسلام میں والدین کا بہت بڑا مقام اور مرتبہ ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے، ”اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو۔رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور لوگوں سے (ہمیشہ) اچھی بات کہو۔“(38)

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔ ”اور آپ کے پروردگار کا فرمان ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کیا کرو، اگر تمہارے سامنے اِن میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں ”اُف“ تک نہ کہو اور نہ انہیں جھڑکو بلکہ ان سے نرمی کے ساتھ بات کرو اور اپنے بازو نہایت عاجزی اور نیاز مندی سے ان کے سامنے جھکا دو اور (ان کے لئے یوں دعائے رحمت کرو) اے میرے پروردگار! تو اِن پر (اس طرح) رحم فرما، جس طرح انہوں نے مجھے بچپن میں (رحمت وشفقت سے) پالا تھا“۔(39)

---

(38)سورۃ البقرہ

(39)سورۃ بنی اسرائیل

اللہ تعالیٰ نے ان آیات مبارکہ میں اپنی عبادت کے ساتھ ہی والدین کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک کا حکم فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ والدین کی خدمت واطاعت انتہائی ضروری ہے حتیٰ کہ والدین اولاد پر ظلم وزیادتی بھی کریں تب بھی اولاد کو انہیں جواب دینے کی اجازت نہیں، جھڑکنا تو درکنار، ان کے سامنے ''اُف'' تک کہنے کی بھی اجازت نہیں۔

اولاد کے فرائض میں شامل ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول ﷺ کی نافرمانی کے سوا والدین کے ہر حکم کی تعمیل کریں۔ ان کی رائے کو ترجیح دیں۔ خاص طور پر جب والدین بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو پھر ان کے احساسات کا خیال رکھتے ہوئے ان سے محبت واحترام سے پیش آئیں، اپنی مصروفیات میں سے مناسب وقت ان کے لیے خاص کردیں۔ ان کی بھرپور خدمت کریں اور ان کی وفات کے بعد ان کے لیے ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت ورحمت کرتے رہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے لیے، اپنے والدین اور تمام مسلمانوں کے لیے مغفرت وبخشش کی دعا مانگتے ہیں۔ جس کا قرآن پاک نے اس طرح ذکر کیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے ''اے ہمارے رب! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو (بخش دے) اور سب مسلمانوں کو (بخش دے)، جس دن حساب قائم ہوگا''۔[40]

---

(40) سورۃ ابراہیم

ماں باپ کے انتقال کے بعد بھی ان کے ساتھ حسن سلوک اور ان کے حقوق کی ادائیگی کا اہتمام کرنا چاہیے۔ جس کی کئی صورتوں میں سے ایک دعائے مغفرت کرنا بھی شامل ہے۔ جس سے ان کے درجات بلند ہوتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندے کا درجہ جنت میں بلند فرما دیتا ہے تو وہ بندہ عرض کرتا ہے کہ "اے میرے رب! یہ درجہ مجھے کہاں سے ملا ہے؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے کہ، "تیری اولاد کی دعائے مغفرت کی بدولت (تجھے یہ بلند درجہ دیا گیا ہے)۔"[41] (مسائل اربعین)

ایک حدیث شریف میں ہے کہ ماں باپ کے لیے دعائے مغفرت کرنا ان کے لیے صدقہ جاریہ ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں "رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے تمام اعمال کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے، لیکن تین چیزوں کا نفع اس کو (مرنے کے بعد بھی) پہنچتا رہتا ہے۔ (۱) صدقہ جاریہ (۲) ایسا علم جس سے لوگ نفع حاصل کرتے ہوں (۳) نیک اولاد جو اس کے لیے دعائے مغفرت و رحمت کرتی ہو۔

(41) مسائل اربعین

حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، "جو نیک اولاد اپنے ماں باپ کے چہرے کی طرف رحمت (اور محبت) سے ایک نظر دیکھ لے تو اللہ تعالیٰ (اس کے نامہ اعمال میں) ایک حج مقبول کا ثواب لکھ دیتا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا، اگر وہ ہر روز سو بار دیکھے تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا، اللہ سب سے بڑا ہے اور (اس کی ذات) بہت پاک ہے، (یعنی اس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں، وہ سو حج کا ثواب بھی عطا فرمائے گا۔" [42]

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ، "جس شخص کو یہ پسند ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کی عمر دراز کرے اور اس کے رزق میں اضافہ فرمائے تو اسے چاہیے کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرے اور (اپنے رشتہ داروں کے ساتھ) صلہ رحمی کرے۔"

ایک اور اہم بات یہ ذہن میں رکھنی چاہیے کہ اولاد پر اپنے بیوی بچوں کی طرح اپنے بوڑھے ماں باپ کی خدمت اور کفالت اور ان کی ضروریاتِ زندگی (کھانا پینا، لباس، علاج) کو پورا کرنا بھی اولاد پر فرض ہے، اس کے ساتھ ان کی ضروریات کے مطابق مخصوص رقم ہر مہینے ان کو پیش کی جائے تا کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق خرچ کر سکیں۔

---

(42) مشکوۃ، بیہقی

حضور سید عالم ﷺ نے والدین کی خدمت و اطاعت کو جہاد ایسی عظیم عبادت وسعادت پر بھی ترجیح دی حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس جہاد میں شریک ہونے کی غرض سے حاضر ہوا تو نبی کریم ﷺ نے اس سے پوچھا کہ کیا تمہارے ماں باپ زندہ ہیں؟" اس نے کہا، "جی ہاں، زندہ ہیں۔" آپ ﷺ نے فرمایا، "جائو اور اپنے والدین کی خدمت کرو، یہی تمہارا جہاد ہے۔"(43)

اللہ تعالیٰ نے والدین کے ساتھ حسن سلوک اور اچھا نیکی کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ میرا اور اپنے والدین کا شکر ادا کرو۔

والدین کے حقوق کی ادائیگی گویا اللہ کی تابعداری ہے، اس لحاظ سے ان کی خدمت گویا اللہ تعالیٰ کی خدمت ہے۔ اللہ کی خوشنودی باپ کی خوشنودی میں اور اللہ کی ناراضی باپ کی ناراضی میں مضمر ہے۔

حضرت ابو ہریرہ ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، "وہ شخص ذلیل ورسوا ہوا۔۔۔ وہ شخص ذلیل ورسوا ہوا۔۔۔ وہ شخص ذلیل ورسوا ہوا۔۔۔ عرض کیا، کون

(43) سنن ابن ماجہ، مشکوۃ المصابیح

یارسول اللہ ﷺ ؟آپ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے اپنے ماں باپ میں دونوں یا کسی ایک کو بڑھاپے میں پایااور پھر (ان کی خدمت کر کے) دخولِ جنت کا حق دار نہ بن سکا۔“(44)

ماں باپ کے نافرمان کا کوئی عمل مقبول نہیں ہوتااور موت سے پہلے ہی اسے دنیا میں ذلت و رسوائی اور اپنے کیئے کی سزا ملتی ہے۔والدین کے حقوق کی ادائیگی کواس طرح ممکن بنایاجاسکتاہے کہ والدین کے ہر نیک حکم کی تعمیل کی جائے۔ان کے سامنے اونچی آوازمیں بات نہ کی جائے۔ان کے آرام وسکون اور خوشیوں کا خیال رکھاجائے۔والدین کاتذکرہ ہمیشہ اچھے الفاظ میں کیاجائے۔والدین کے رشتہ داروں اور دوستوں کااحترام کیاجائے۔والدین کی وفات کے بعدان کیلئے دعائے مغفرت ورحمت کرتارہے اور ایصالِ ثواب کاتحفہ بھیجتارہے تاکہ وصال کے بعد بھی ان کے اعمال میں نیکیوں کااضافہ ہوتارہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایاکہ ”بہترین نیکی یہ (بھی) ہے کہ ماں باپ کے تعلق داروں کے ساتھ اچھااور نیک سلوک کیاجائے۔“

اسی طرح والدین خاص کر والد کو چاہئے کہ اپنی اولاد سے پیار اور شفقت سے پیش آئے ،ان کے ساتھ ہر وقت سخت اور درشت لہجہ اور رویہ نہ اپنائے ،زندگی کے ہر موڑاور ہر موقع ہر سیرت النبی کو پیش نظر رکھے۔

(44)مسلم، مشکوۃ

آپ ﷺ نے بچوں کے بچپنے کا ہر لحاظ سے خیال رکھا۔ اپنی تمام تر رفعت شان کے باوجود ان کے ساتھ کھیلے بھی اور کبھی ان پر سختی نہیں فرمائی۔

اپنے پیارے نواسوں سے آپ ﷺ کی محبت و شفقت کے کئی واقعات ہم سنتے پڑھتے رہتے ہیں کہ کیسے وہ عین نماز کی حالت میں بھی لاڈ سے آپ ﷺ پر سوار ہو جاتے تھے اور آپ ﷺ ناراض تو کیا ہوتے، ان کے لیے سجدے کو طویل فرما لیتے۔

ایک بار آپ ﷺ حضرت حسنؓ کو چوم رہے تھے۔ ایک دیہاتی نے اعتراض کرتے ہوئے حیرت کا اظہار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

اگر اللہ نے تیرے دل سے رحمت کو نکال دیا تو میں کیا کر سکتا ہوں؟

اسی طرح ایک موقع پر جب ایک صحابی نے حیرت کا اظہار کیا تو فرمایا کہ جو شخص رحم نہیں کرتا، اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا۔

اگر ہم رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی روشنی میں اپنے سلوک کا جائزہ لیں تو معلوم ہو گا کہ ہم اپنے بچوں کے ساتھ بیگانے جیسا سلوک کرتے ہیں؟

کسی صاحب نے صحیح لکھا ہے کہ باپ کی درشت مزاجی کی وجہ سے بچہ پڑوسی انکل کے زیادہ قریب، باپ سے دور ہوتا ہے۔۔۔ بات بات پہ مارنا، چلانا، برا بھلا کہنا بچوں کو نہ صرف

ڈھیٹ بنا دیتا ہے بلکہ ان کو ماں باپ سے دور بھی کر دیتا ہے۔۔۔ پھر ہوتا یہ ہے کہ بچے اس جذباتی خلا کو باہر والوں سے پر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔۔۔ باہر پھرتے سفاک درندے ایسے ہی معصوموں کا شکار کرنے گھات لگائے بیٹھے ہوتے ہیں۔۔۔ سو وہ انہیں جھوٹی محبت کے جال میں پھانس کر ان کا جذباتی و جنسی استحصال تک کر بیٹھتے ہیں۔

گھر میں خود بچے سے متعلق امور میں بھی اس سے کوئی مشورہ نہیں ہوتا، نہ اس سے رائے لی جاتی ہے اور نہ اس کی پسند ناپسند کا خیال رکھا جاتا ہے۔۔۔ ہر وقت، ہر بات میں بس اپنی مرضی چلائی بلکہ باقاعدہ ٹھونسی اور تھوپی جاتی ہے۔۔۔ آہستہ آہستہ والدین اور بچوں کے درمیان ایک ایسی اجنبیت کی دیوار کھڑی ہونے لگتی ہے کہ پھر بچہ کسی جذباتی کشمکش کا شکار ہو جائے، اس کے ساتھ کچھ غلط ہونے لگے تو وہ چاہتے ہوئے بھی اپنی بات والدین سے شیئر نہیں کر پاتا۔۔۔ اور یوں یہ صورت حال کبھی خدانخواستہ ناقابل تلافی نقصان کا باعث بن جاتی ہے۔

یاد رکھئے۔۔۔ انگلی پکڑ کر چلانے والے ہاتھ جب ہاتھ چھوڑ دیں تو پھر جانے کون کون انگلیاں پکڑتا ہے اور کس کس سمت لے جاتا ہے۔۔۔ اپنے احساسات کو جھنجھوڑیئے اپنی غفلت کو دور کیجیے۔۔۔ مستقبل کے اِن ہونہار نونہالوں کو اپنے سے قریب کیجیے، ان سے مشورے کیجیے، انہیں اہمیت کا احساس دلایئے۔۔۔ گاہے ان کے ساتھ تبادلہ خیال کیجیے اور ان کے دل جیت لیجیے۔۔۔ قبل اس کے کہ آپ انہیں ہمیشہ کے لئے کھو دیں!

جہاں تک بات ماں کی محبت کی ہے تو اس بابت تو تب سے لکھا جارہا ہے جب سے حضرت انسان نے لکھنا سیکھا تھا پر باپ ایک ایسی ذات ہے جس کی بابت شاید باپ نے بھی کبھی کھل کر نہیں لکھا اور بھلا لکھ بھی کیسے سکتا ہے کہ باپ کی محبت کا ہر رنگ نرالا اور مختلف ہے، ماں کی محبت تو بچے کی پیدائش سے لیکر اسکی آخری عمر تک ایک سی ہی رہتی ہے یعنی اپنے بچے کی ہر برائی کو پس پردہ ڈال کر اسے چاہتے رہنا۔

بچپن میں بچہ اگر مٹی کھائے تو اس پر پردہ ڈالتی ہے اور باپ سے بچاتی ہے، نوجوانی میں بچے کی پڑھائی کا نتیجہ آئے تو اس رپورٹ کارڈ کو باپ سے چھپاتی ہے اور اپنے بچے کو بچاتی ہے، جوانی میں بچے کا دیر سے گھر آنا باپ سے چھپاتی ہے اور اپنے بچے کو بچاتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح جیسے جیسے بچہ بڑا اور اسکے "جرائم" بڑھتے جاتے ہیں ویسے ویسے ماں اپنے پردے کا دامن پھیلاتی چلی جاتی ہے۔

اسکے برعکس ''باپ'' ایک ایسی ہستی ہے جو اپنی اولاد کو بے پناہ چاہنے کے باوجود اس پر صرف اسلئے ہاتھ اٹھاتا ہے کہ کہیں بچہ خود کو بڑے نقصان میں مبتلا نہ کر بیٹھے، اسکی پڑھائی پر سختی برتتا ہے کہ کہیں اس کا بچہ کم علم ہونے کے باعث کسی دوسرے کا محتاج نہ بن کر رہ جائے، بچے کا رات دیر سے گھر آنا اسلئے کھٹکتا ہے کہ کہیں کسی بری لت میں مبتلا ہو کر بچہ اپنی صحت اور مستقبل کو خراب نہ کر بیٹھے۔

یعنی بچے کی پیدائش سے لیکر قبر تک باپ کی زندگی کا محور اس کا بچہ اور اسکا مستقبل ہی رہتا ہے۔ جہاں ماں کی محبت اسکی آنکھوں سے اور عمل سے ہر وقت عیاں ہوتی ہے وہیں باپ کی محبت کا خزانہ سات پردوں میں چھپا رہتا ہے۔ غصہ، پابندیاں، ڈانٹ، مار، سختی یہ سب وہ پردے ہیں جن میں باپ اپنی محبتوں کو چھپا کر رکھتا ہے کہ بھلے اسکی اولاد اسے غلط سمجھے پر وہ یہ سب پردے قائم رکھتا ہے کہ اسکی اولاد انہی پردوں کی بدولت کامیابی کی سیڑھیاں چڑھنا شروع کرتی ہے۔

باپ جب اپنی اولاد پر جائز غصہ کرتا ہے، مناسب سختیاں کرتا ہے تو اولاد اپنے باپ کو دنیا کا سب سے بڑا ظالم تصور کرتی ہے جو نہ تو دوستوں کے ساتھ رات گئے تک بیٹھنے دیتا ہے اور نہ ہی جیب خرچ اتنا زیادہ دیتا ہے کہ اولاد فضول عیاشیاں کر سکے۔

باپ کی محبت سمندر کی خاموش لہروں کے مانند ہے جو اندر اندر پورے شور اور لہروں کے ساتھ بہتی ہے لیکن اوپر والوں کو احساس نہیں ہو پاتا، ایسا نہیں ہے کہ باپ کا رنگ گورا نہیں تھا بلکہ جوانی میں وہ جوان، کڑیل، بانکا اور سجیلا شخص تھا لیکن اولا کے ہوتے ہی باپ نے اپنے آپ کو مشق ستم بنالیا، دن ورات جانوروں کی طرح محنت ومشقت کر کے اپنے بچوں کو راحت ونعمت دینے کے لئے فکر مند ہوتا گیا، جوں جوں بچے بڑے ہوتے گئے باپ بوڑھا ہوتا گیا تاآنکہ ایک وقت وہ بھی آیا جب باپ کا میوۂ عنفوان شباب پژمردہ ہو گیا، اس کا گلستانِ عذارِ نودمیدہ پستہ ہو گیا، اُس کے گورے رنگ پر کالا رنگ غالب آگیا، اس کے نرم وملائم ہاتھ اور ہتھیلیاں کھردری

اور سخت ہو گئیں، اس کی کشادہ پیشانی پر سلوٹیں نمودار ہو گئیں،اس کے پیروں کی کھال موٹی ہو گئی،اس کی ایڑیاں زیادہ محنت ومشقت کی وجہ سے پھٹ گئیں،اس کا اپنا پیٹ اندر کی طرف دھنس گیا،اس کے مضبوط بازو شبانہ روز محنت ومشقت کے باعث تھک گئے ،اس نے کھانے کی روٹین ختم کردی محض بچوں کے لئے،اس نے روکھاسوکھا کھایا صرف اپنے بچوں کے لئے ،اس نے کئی کئی کلو میٹر پیدل سفر کیا صرف چند پیسے بچانے کے لئے تاکہ اس کی اولاد کسی کی دست نگر نہ ہونے پائے ،اولاد کی فرمائشیں پوری کرنے کے لئے بسااوقات اس نے مہینہ میں کئی کئی بار اپنا خون بیچ دیا،اولاد کی خاطر فاقے کر لئے ،اولا کی خاطر وہ ذلت اور خفت بھی برداشت کرلی جو شاید شادی سے پہلے کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔شاعر نے بالکل صحیح ترجمانی کی ہے۔

ہر اک درد وہ چپ چاپ خود پہ سہتا ہے

تمام عمر سوائے میرے وہ اپنوں سے کٹ کے رہتا ہے

وہ لوٹتا ہے کہیں رات کو دیر گئے،دن بھر

وجود اس کا پسینہ میں ڈھل کر بہتا ہے

گلے رہتے ہیں پھر بھی مجھے ایسے چاک گریباں سے

یہ بات سچ ہے کہ میرا باپ کم نہیں ہے میری ماں سے

پرانا سوٹ پہنتا ہے کم وہ کھاتا ہے

مگر کھلونے میرے سب وہ خرید کے لاتا ہے

وہ مجھے سوئے ہوئے دیکھتا رہتا ہے جی بھر کے

نجانے کیا کیا سوچ کر وہ مسکراتا رہتا ہے

میرے بغیر تھے سب خواب اس کے ویران سے

یہ بات سچ ہے کہ میرا باپ کم نہیں ہے میری ماں سے

لیکن یہی اولاد جوان ہو کر جب خود ''باپ'' کے مرتبہ پر فائز ہوتی ہے اور اپنے بچپن کے ساتھیوں اور دوستوں کو نشے، جوے، سٹے اور دیگر خرافات میں مبتلا دیکھتی ہے تو تشکر کے آنسو اس کی آنکھوں میں تیرنے لگتے ہیں اور تعریف کے جملے اس کی زبان پر لرزنے لگتے ہیں کہ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے ہمارے والد نے ہم پر سختیاں برتیں جس کی بدولت آج کسی بھی طرح کے نشے اور بری لت سے خود کو بچائے رکھا ہے، اور آج ہم اُس مقام پر کھڑے ہیں کہ اپنے والدین کا سر فخر سے بلند رکھ سکیں۔

مجھ کو چھاؤں میں رکھا اور خود جلتا رہا دھوپ میں

میں نے دیکھا اِک فرشتہ باپ کے روپ میں

پر کیا آپ کو معلوم ہے کہ باپ سانسیں لیتے ہوئے جیتے جی بھی مر جاتے ہیں، جیسے جیسے اولاد کا اختیار بڑھتا اور والد کا اختیار گھٹتا جاتا ہے ویسے ویسے ہی باپ ''مرنا'' شروع ہو جاتا ہے، جب بچہ طاقتور جوان ہونے لگتا ہے تو باپ کا ہاتھ بعض اوقات اس خوف سے بھی اٹھنے سے رک جاتا ہے کہ کہیں بیٹے نے بھی پلٹ کر جواب دے دیا تو اِس قیامت کو میں کیسے سہہ سکوں گا؟

جب بچے اپنے فیصلے خود لینے لگیں اور فیصلے لینے کے بعد باپ کو آگاہ کر کے ''حجت'' پوری کی جانے لگے تو بوڑھا شخص تو زندہ رہتا ہے پر اسکے اندر کا ''باپ'' مرنا شروع ہو جاتا ہے۔

باپ سچ بات بتاتے ہوئے گھبراتا ہے

اسکو یہ خوف کہ بیٹا کہیں ناراض نہ ہو

باپ اس وقت تک زندہ ہے جب تک اولاد پر اسکا حق قائم ہے، جس اولاد سے اس نے اتنی محبت کی کہ اپنے دل پر پتھر رکھ کر اسے تھپڑ بھی مارا، اولاد کے آنسو بھلے کلیجہ چیر رہے ہوں پھر بھی اسلئے ڈانٹا کہ کہیں ناسمجھ اولاد خود کو بڑی تکلیف میں مبتلا نہ کر بیٹھے۔

نیک اور فرمانبردار اولاد ہمیشہ یہی چاہتی ہے کہ اولاد کے بڑھنے اور جوان ہونے سے والد صاحب احساس کمتری کا شکار نہ ہونے پائیں، جس طرح والد صاحب کا ہماری زندگی پر ہمیشہ اختیار رہا ہے لہٰذا عمر کے اِس حصّے میں بھی ان کی کوشش ہوتی ہے کہ ابو کو کبھی احساس نہ ہو کہ اب ہم ''بڑے'' ہو گئے ہیں یا ان کی اہمیت گھٹ چکی ہے، لہٰذا پیسے ہونے کے باوجود انھیں اپنے

ہر کام کیلئے والد صاحب سے پیسے مانگنا اچھا لگتا ہے ، رات اگر کسی پروگرام سے واپسی پر دیر ہو جانے کا خدشہ ہو تو فون کرکے بار بار بتانا ضروری سمجھتی ہے تاکہ والد صاحب کو فکر نہ ہو پھر واپسی کے بعد سب سے پہلے ان ہی کے پاس جاکر سلام کرکے گویا اپنی آمد اور حاضری درج کراتی ہے کیونکہ باپ تو بہر حال باپ ہے جس کو کوئی بدل نہیں ہے۔

باپ تو وہ ہستی ہے جو روڈ کراس کرتے ہوئے اپنی جوان اولاد کا ہاتھ عادتاً ہی سہی ، بے خیالی میں ہی سہی پکڑ لیتی ہے کیونکہ اولاد تو اولاد ہوتی ہے کتنی ہی بڑی ہو جائے۔

باپ کی محبت اولاد سے ماسوائے اسکے اور کچھ نہیں مانگتی کہ ”باپ“ کو زندہ رکھا جائے ، پھر چاہے وہ چار پائی پر پڑا کوئی بہت ہی بیمار اور کمزور انسان ہی کیوں نہ ہو ، اگر اس کے اندر کا ”باپ“ زندہ ہے تو یقین جانئے اسے زندگی میں اور کسی شے کی خواہش اور ضرورت نہیں ہے۔

اپنے بوڑھے باپ کی قدر ان خاندانی عورتوں سے پوچھو جو گھر میں اپنی جوان اولاد ، شوہر اور گھر کے تمام مردوں کی عدم موجودگی میں بستر پر پڑے ”باپ“ کے وجود سے خود کو مطمئن اور پر امن تصور کرتی ہیں۔

اُن کے سائے میں بخت ہوتے ہیں

باپ گھر میں درخت ہوتے ہیں

باپ کی حیثیت اس اولاد سے پوچھو جن کے والدین ملک عدم سدھار چکے ہوں اورآپ زندگی کے کسی حساس مسئلہ میں کسی جہاں دیدہ شخصیت کے مشورے کے طالب ہوں!

خدارا! اگر آپ کے والد حیات ہیں تو ان کے اندر کا "باپ" زندہ رکھئے یہ اس "بوڑھے شخص" کا آپ پر حق بھی ہے اور قرض بھی ہے !! کیونکہ آنے والا کل پورے طور پر منظر کو بدل کر رکھ دے گا، سوچئے! آج جس ٹوٹی چٹائی اور پرانے بستر پر آپ کے والد صاحب موجود ہیں جنھوں نے آپ کے لئے دن کا چین اور رات کی راحت سب کچھ قربان کرکے اچھا گھر، اچھی تعلیم اور اچھی جائداد چھوڑی ہے۔۔۔اُن کے جانے کے بعد وہی چارپائی آپ کی منتظر ہوگی اور آپ کے اَریب قریب آپ کے جوان سال صاحب زادگان کھڑے ہوں گے۔

یہ سوچ کے ماں باپ کی خدمت میں لگا ہوں

اس پیڑ کا سایہ مرے بچوں کو ملے گا

دینی مدارس کا قیام: اسباب و محرکات

ضرورت ایجاد کی ماں ہوتی ہے اور یہ بھی ایک مسلمہ صداقت ہے کہ کوئی بھی تحریک بلاوجہ وجود میں نہیں آتی۔ یہ بھی ماننا ہوگا کہ ہر تحریک کا کوئی نہ کوئی محرک، ہر ادارہ کا کوئی نہ کوئی باعث، ہر اِزم کا کوئی نہ کوئی بیک گراؤنڈ، ہر منظر کا پس منظر اور ہر نئی فکر اور نئی راہ کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوتی ہے۔

جو تنظیمات بلاوجہ وجود میں آتی ہیں بہت جلد خس و خاشاک کے مانند خاک کا ڈھیر بن جاتی ہیں۔۔۔ جو تحریکات اسباب و عوامل کے بغیر منظر نامہ پر ابھرتی ہیں وہ بھی بہت جلد قصۂ پارینہ ہو جاتی ہیں۔۔۔ جو ادارے بلا ضرورت وجود میں آتے ہیں ان میں بہت جلد خاک اڑنے لگتی ہے۔۔۔ لیکن جو چیز روح اور روحانیت سے وجود میں آئے۔۔۔ قصہ ہائے ماضی اور واقعہ ہائے ارضی کو مد نظر رکھتے ہوئے مثبت فکر و خیال کے ساتھ وجود میں آئے تو صدیاں ان کو تابندہ، افراد و اقوام ان کو زندہ اور نسل نو ان کو پائندہ رکھنے کی کوشش کرتی ہیں۔

جس طرح بعض دوائیں انسانی طبیعتوں کو فائدہ پہنچاتی ہیں تو بعض نقصان کا باعث بھی بن جاتی ہیں۔۔۔ ٹھیک اسی طرح یہ بھی سچ ہے کہ بعض افراد عصری تقاضوں سے منفعل

اور متأثر ہوتے ہیں ۔۔۔تو۔۔۔بعض خود ہی اس پر اثرانداز ہو جاتے ہیں۔۔۔اس لئے میں مناسب سمجھتاہوں کہ ’’مظاہرعلوم‘‘ جیسی عظیم الشان دینی، تعلیمی، تربیتی دانش گاہ کے ذکر خیر سے پہلے اُس وقت کے حالات کی منظر کشی کرتا چلوں تاکہ سیاق کو سباق سے، حالات کو ماحول سے، دریاؤں کو سمندروں سے، پتوں کو پیڑوں سے اور دھویں کو آگ سے جوڑنے میں آسانی ہو۔

غیر منقسم ہندوستان کی زریں تاریخ کاایک ہزارسالہ دوردورہ منزل کے آخری پڑاؤپر ہے۔۔۔مغلیہ سلطنت کا نیر تاباں زوال پذیر ہے۔۔۔نسلاً بعد نسل زمامِ ملک اور اقتدار کی اہمیت اُن کے نزدیک کم سے کمتر ہورہی ہے۔۔۔دولت کی ریل پیل اور سونے چاندی کی چمک دمک سے مغرور ہوتے جارہے ہیں۔۔۔جو پرانے لوگ تھے وہ چراغ سحری بن گئے ۔۔۔اور۔۔۔جواُٹھتے سورج اور نکلتے چاند تھے۔۔۔ وہ آباء اپنے واجداد کے ہاتھوں ملنے والی آسائشوں کے باعث۔۔۔ مظلوموں کے لئے ظلم کا ذریعہ بننے لگے۔۔۔انسانی جانوں کی اہمیت ختم ہورہی ہے۔۔۔شہنشاہ بابرواورنگ زیب کی اولاد۔۔۔شمشیر وسناں سے اپنا رشتہ منقطع کرکے طاؤس ورباب سے اپنا تعلق استوار کرہی ہے۔۔۔رجزیہ اشعار جو جوانوں کے خون کی حدت بڑھانے اور جوش اسلام کے لئے ابھارنے کا باعث بنتے تھے وہ موٹی موٹی بوسیدہ۔۔۔کِرم خوردہ۔۔۔گردآلود کتابوں میں دب کررہ گئے ہیں۔۔۔رقاصاؤں کے پائلوں کی جھنکار، مترنم سحر آفرینی اور نازوانداز کی حکمرانی شہزادوں کی غیرت وحمیت اوران کے اسلامی جذبات

کو ''لوریاں'' دے کر ابدی نیند سلانے کے سامان فراہم کر رہی ہے۔۔۔خالد بن ولیدؓ، طارق بن زیادؒ، نورالدین زنگیؒ، صلاح الدین ایوبیؒ، محمد بن قاسمؒ اور خود مغل شہزادوں کے آباد واجداد کے فاتحانہ کارناموں کی قصیدہ خوانی کے بجائے حسن و عشق کی بدمستیوں، شراب وشباب کی رنگینیوں، طاؤس ورباب کی ترنگوں اور سوز وساز نفسانی کی امنگوں نے اپنی جڑیں مضبوط سے مضبوط کرلی ہیں۔۔۔پہلے داد وفریاد اور عدل وانصاف کے لئے شہروں کا گشت ہوتا تھا۔۔۔اب عیش پرستی اور خواہشات نفسانی کی تکمیل کے لئے ''قلعہ معلی'' میں ہی قید رہنے کا مزاج بن رہا ہے۔۔۔فوجیں شکست کھا رہی ہیں، حکومتیں کمزور ہو رہی ہیں۔۔۔ریاستی سطح پر مخالفانہ ماحول بن رہا ہے۔۔۔اندرونی طور پر لاوا پک رہا ہے۔۔۔بیرونی دنیا قدم رنجہ ہو رہی ہے۔۔۔ گھر کی بنیادیں متزلزل اور بیرنی طاقتیں مسلسل۔

اب روحوں کا تقدس۔۔۔حوصلوں کی استقامت۔۔۔عزائم میں مضبوطی۔۔۔ ہمالیائی رفعت۔۔۔یہ سب ماضی کا قصہ بنتی جارہی ہیں۔۔۔پہلے جن شاہنشاہوں کے نام سے عالم کفر لرزاں۔۔۔دنیاء شرک ترساں۔۔۔اور۔۔۔عالم شیطنت پر فغاں طاری ہو جاتا تھا۔۔۔آج لال قلعہ کی رنگین وسنگین دیواریں اور گہری وعمیق خندقیں دشمنوں کی پکار اور ہاہاکار سے لرزتی محسوس ہوتی ہیں۔۔۔دشمن کی گھن گرج سے قلعہ معلی کپکپاتا نظر آتا ہے۔۔۔کمزور اور بے جان فوج پسپا ہو رہی ہے۔۔۔طوائف الملوکی کا دور دورہ۔۔۔اور۔۔۔انارکی کا ماحول پیدا ہو گیا ہے۔۔۔اتنا بڑا ملک چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہو رہا ہے۔۔۔ہر نواب۔۔۔راجہ۔۔۔

جاگیر دار۔۔۔زردار۔۔۔اور۔۔۔"غدار"اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنانے پر تلا ہوا ہے۔۔۔ یعنی۔۔۔ اجتماعیت عامہ منتشر اور مملکت تامہ منکسر ہو رہی ہے۔۔۔مرہٹوں نے اپنے ظلم وبربریت کا کہرام مچار کھا ہے۔۔۔ سکھوں کے وحشیانہ مظالم رکنے کا نام نہیں لے رہے ہیں۔۔۔ کبھی راس کماری اور درۂ خیبر تک پھیلا ہوا ملک سمٹ کر دہلی اور دہلی میں بھی قلعہ معلی تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔۔۔سب سے بڑا دشمن انگریز مسلمانوں کی اس کمزوری کا فائدہ اٹھا کر اپنے اثرات بڑھاتا۔۔۔ پاؤں پسارتا اور اپنی حدود کو لا محدود کرتا جارہا ہے۔۔۔شہروں، تحصیلوں، ضلعوں اور صوبوں پر قبضے ہوتے جارہے ہیں ،ریاستیں سمٹتی، حکومتیں بٹتی، سطوتیں گھٹتی اور سلطنتیں مٹتی جارہی ہیں۔۔۔ پھر۔۔۔ حالات نے کروٹ لی ۔۔۔اور۔۔۔ چشم فلک نے ایک منظر دیکھا کہ شہزادوں کی گردنیں ان کے تن سے جدا ہونے لگیں۔۔۔ پاکدامن اور عفت مآب خواتین کی عصمتیں لٹنے لگیں۔۔۔دہلی کے گلی کوچے مسلم خون سے لالہ زار ہونے لگے۔۔۔ جس کسی نے قابض انگریزوں کے خلاف آواز بلند کی ان کی آواز ہمیشہ کے لئے دبادی گئی۔۔۔ مغلیہ سلطنت کے آخری چشم وچراغ بہادر شاہ ظفرؔ مرحوم کے شہزادوں کے سر کاٹ کر ایک دستر خوان میں رکھ کر ان کی خدمت میں بھیجے گئے،انتہائی پیرانہ سالی میں انھیں گھر سے بے گھر،دربدر جلاوطنی کی زندگی گزارنی پڑی۔۔۔رنگون میں آخری سانسیں لینے پر مجبور ہوئے اور نہایت درد اور کرب میں یہ اشعار ان کی نوک زبان پر آئے۔

لگتا نہیں ہے جی مرا اجڑے دیار میں

کس کی بنی ہے عالم ناپائدار میں

کہد وان حسرتوں سے کہیں اور جابسیں

اتنی جگہ کہاں ہے دل داغ دار میں

عمر دراز مانگ کے لائے تھے چار دن

دو آرزو میں کٹ گئے دو انتظار میں

کانٹوں کو مت نکال چمن سے کہ باغباں

یہ بھی گلوں کے ساتھ پلے ہیں بہار میں

کتنا ہے بدنصیب ظفرؔ دفن کے لئے

دو گز زمیں بھی مل نہ سکی کوئے یار میں

ان افسوسناک حالات کو صاحبان بصیرت نے نہ صرف محسوس کیا بلکہ حالات کی سنگینی سے نبرد آزما ہونے کے لئے خود کو تیار بھی کیا اور بنگالہ سے سراج الدولہؒ۔۔۔میسور سے ٹیپو سلطانؒ۔۔۔رائے بریلی سے سید احمد شہیدؒ۔۔۔دہلی سے شاہ عبدالعزیزؒ وغیرہ ملک اور قوم کے تحفظ کی خاطر اٹھ کھڑے ہوئے۔۔۔سراج الدولہ چاہتے تو اپنی حکومت وسطوت کو انگریز کی چاپلوسی سے بچالیتے۔۔۔ شیر میسور چاہتے تو مزید اقتدار پر قابض ہو جاتے۔۔۔حضرت

سید احمد شہیدؒ چاہتے تو جعفر وصادق بن کر اپنی روٹیاں سینک لیتے۔۔۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ چاہتے تو اپنی خانقاہ میں انگریزی مراعات سے استحکام پیدا فرمالیتے۔۔۔ لیکن۔۔۔ ان سب کاموں کے لئے شریعت وطریقت کو بلی کا بکرا بنانا پڑتا۔۔۔ مسلمانان ہند کے اجسام ناتواں کو بیچنا پڑتا۔۔۔ سطوت اسلام کو گروی رکھنا پڑتا۔۔۔ شوکت دین سے صرف نظر کرنی پڑتی۔۔۔ ضمیر کی آواز کو دبانا پڑتا اور کفر وشرک کے آگے کاسۂ گدائی اٹھانا پڑتا۔۔۔ لیکن ۔۔۔ دین کے ان سپہ سالاروں نے اسلام کی آن بان شان کو دل وجان سے لگائے رکھا، کفر کے خوان سے خوشہ چینی نہیں کی۔۔۔ انگریز افواج میں بھرتی کو مسلمانوں کے لئے ناجائز اور حرام بتا کر سب سے پہلے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ قابض حکومتوں کے خرمن میں گویا آگ لگادی۔۔۔ پھر رد عمل شروع ہوا۔۔۔ جگہ جگہ پھانسی کے حلقہ لگ رہے ہیں۔۔۔ مسلمان سالاروں کو یکے بعد دیگرے پھانسیاں دی جارہی ہیں۔۔۔ آگ کے بڑے بڑے الاؤ روشن ہورہے ہیں۔۔۔ اور۔۔۔ چن چن کر ان مسلمانوں کو زندہ ڈالا جارہا ہے جو انگریزی حکومت کو تسلیم کرنے پر تیار نہیں تھے۔۔۔ معصوم بچوں۔۔۔ بے قصور عورتوں۔۔۔ مجبور وبے کس ضعیفوں تک کو ظالم درندوں نے نہیں چھوڑا۔۔۔ اور۔۔۔ پھر ایک اور منظر ابھرا۔۔۔ دہلی کا دریائے جمنا خون مسلم کی رنگینی سے رنگین ہوگیا۔۔۔ دہلی کے تمام کنویں عفت مآب بہنوں نے اپنی عفت وپاکدامنی کو محفوظ رکھنے کی خاطر جان پر کھیل کر بھر دئے۔۔۔ پورے ہندوستان میں آگ لگ گئی۔۔۔ کوئی چوک وچورہا۔۔۔ کوئی میدان۔۔۔ کوئی درخت، کوئی علاقہ اور کوئی نہر و دریا ایسا

نہیں بچا جو اس بات کی گواہی دے کہ وہاں کسی مظلوم و بے قصور مسلمان کی شہادت نہیں ہوئی ہے۔اس سلسلہ میں مجھے اُن تمام شہیدوں کے نہ تو نام شمار کرانا مقصود ہے۔۔۔ ناہی۔۔۔ان کی خدمات بتانا میرا موضوع۔۔۔تاہم مذکورہ حالات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جب ظالموں نے خود مسلمانوں کو نہیں چھوڑا تو ان کے دین اور دینی قیادت کو کیونکر چھوڑ سکتے تھے۔۔۔ نتیجہ یہ ہوا کہ۔۔۔ کئی لاکھ علمائ۔۔۔اور۔۔۔لاکھوں قرآنی نسخے محض اس وجہ سے نابود کر دئے گئے کہ یہ اسلام کے پھلنے اور پھولنے کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔۔۔ مغلیہ سلطنت کے سقوط وانحطاط سے پہلے ہندستان کے چپے چپے پر دینی مدارس اپنی تمام تر جلوہ آرائیوں کے ساتھ اسلام کے تحفظ و تشخص میں مصروف عمل تھے۔۔۔دارالحکومت دہلی میں ہی ایک ہزار سے زائد دینی مدارس قرآن وسنت کی ترویج واشاعت میں مشغول تھے۔۔۔لیکن ہمارے بعض حکمرانوں کی ناعاقبت اندیشیوں کے باعث سفید فام قوم ہم پر مسلط ہو گئی اور اپنی عادت و سرشت کے باعث ہندستان سے دین وایمان کو حرف غلط کی طرح مٹانے اور ختم کرنے کی ظالم قوم نے منصوبہ بندی شروع کر کے عمل بھی کرنے لگی۔۔۔ منصوبہ بند قوانین بنائے۔۔۔اسلام کی قیادت کے اہل حضرات اور اشخاص کو اپنی ''نوازشات اور مراعات'' کے ذریعہ خریدنا چاہا۔۔۔ مسلمانوں کے سینوں اور سفینوں سے دین اور قرآن کی محبت کو نکالنے کیلئے جگہ جگہ مشنری اسکول اور کالج کھولے۔۔۔نت نئے خوشنما ناموں اور خوبصورت لفظوں سے ایسے ادارے قائم کئے جہاں سے اسلام کی شناخت اور مسلمانوں کے تشخص کو رفتہ رفتہ مٹایا جا سکے۔۔۔عیسائیت کی ترویج کے لئے

دعوتی اور تبلیغی افراد کو مامور کیا جو لوگوں کی ذہن سازی کر سکیں اور عیسائیت کے سلسلے میں ان کی غلط فہمیوں کو دور کر کے عیسائیت کے قریب لا سکیں۔۔۔ مسلمانوں اور غیر مسلموں کو چند اختلافی اور فروعی معاملات و مسائل میں الجھانے کے خطرناک پروگرام بنائے۔۔۔ مسلمانوں کے مختلف طبقات اور مسالک کے درمیان فروعات کو ہوا دیکر آپس میں لڑانے کا کام کیا۔۔۔ سنجیدہ، باوقار اور اسلام کیلئے مخلص علماء کرام پر عرصۂ حیات تنگ کیا گیا، طرح طرح سے ستایا اور زدوکوب کیا گیا۔۔۔۔۔ ایسے حالات اور واقعات سے نبرد آزما ہونے کے بعد حالت یہاں تک پہنچی کہ ہندستانی مسلمانوں اور عوام کے اندر آزادی کے حصول کا جذبہ اور جوش پیدا ہونے لگا، علماء اور اکابر نے ظالموں کے ظلم کا مقابلہ کرنے اور ان سے پنجہ آزمائی کیلئے ایک ایسی فوج ظفر موج کو وجود بخشا جو رات کے عابد اور دن کے سپاہی تھے، مال ومتاع دولت وثروت اور جاہ ومنصب کی ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں تھی، وہ اسلام کو آزادی دلوانا چاہتے تھے، جس کے لئے ملک کی آزادی پہلی ضرورت تھی، وہ فتنوں کے اصل منبع اور مخزن پر حملہ آور ہوئے۔

دہلی جہاں ایک ہزار سے زائد مدارس تھے آہ! کہ ان میں سے ایک بھی نہیں چھوڑا گیا۔۔۔ خانقاہوں کا وجود ختم کر دیا گیا۔۔۔ ہندوستان میں جگہ جگہ انگریزی حکومت سے ٹکرانے کے واقعات سنائی دینے لگے۔۔۔ پھر صادق پور کی لڑائی ہوئی، احمد آباد کا سانحہ پیش آیا، فیروز آباد میں جھڑپ ہوئی۔۔۔ مرآباد اور رانچی میں خونریزی ہوئی۔۔۔ جمشید پور، میرٹھ،

بھوپال، راجستھان اور بکسر میں انگریزوں کے مظالم کے غم ناک والمناک واقعات پیش آئے اور پھر ۱۸۵۷ء میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی قیادت میں شاملی کا ''خونچکاں معرکہ'' کچھ اس انداز میں لڑا گیا کہ مسلمانوں کے حوصلوں میں الحمد اللہ پختگی آتی گئی ۔۔۔اور۔۔۔ قائدین امت نے مستقبل کے لئے کچھ نئی تدابیر اختیار کیں ۔۔۔ مثلاً۔۔۔اجتماعیت ۔۔۔ جس کی اس زمانہ میں سب سے بڑی ضرورت تھی۔۔۔ قیادت۔۔۔ جو مسلمانوں کے ہاتھوں سے چھن چکی تھی ۔۔۔اس کا دوبارہ حصول ۔۔۔اِن دونوں کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھنے والی چیز ''دولت''اور ان تینوں میں کامیابی پانے کے لئے ''ذہنی استقامت''اور ذہنی استقامت کے لئے ضروری ہے ''نقطۂ استقامت''جو علم کے بغیر ممکن نہیں۔

چونکہ گل رفت وگلستاں خراب شد

بوئے گل راازکہ جویم جزگلاب

حضرت سید احمد شہیدؒ، حضرت مولانا شاہ اسمعیل شہیدؒاور حضرت فتح علی خانؒ (ٹیپو سلطان) جیسے بزرگوں کی قربانیاں رنگ لائیں اور آزادی کی انگڑائی شعلۂ جوالہ بن کر عیسائی خرمن پر گری جس کی تاب نہ لاکر عیسائی قوم درندگی اور حیوانیت پر اتر آئی ''کشمیر'' سے ''کنیا کماری'' تک جگہ جگہ پھانسی کے حلقے لٹکادئے گئے تاکہ آزادی کی آواز بلند کرنے والوں کو ہمیشہ کے لئے خاموش کردیا جائے، عیسائیت کو چیلنج کرنے والوں کو دندان شکن جواب دیا جاسکے

،ان اذیت گاہوں اور پھانسی کے پھندوں پر بڑے بڑے علماء اور اسلامی قائدین کو پھانسیاں دی گئیں،اذیت گاہوں میں عیسائی حیوانوں نے اپنی مکمل درندگی اور حیوانیت کا مظاہرہ کیا،انھیں زندہ نذرآتش کیا گیا، مسلمانوں کی عبادت گاہوں کو اصطبل بنادیا گیا، مدارس دینیہ کو ختم کرنے کیلئے طرح طرح کے حربے اختیار کئے گئے ،قرآن کریم کے نسخوں کو چن چن کر جلایا گیا تاکہ اسلام دوبارہ نہ ابھر سکے لیکن:

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

یہ سوچ کر طے کیا گیا کہ ملت اسلامیہ کوایک میدان میں سمٹنے کے بجائے مختلف جہتوں سے کام کرنا چاہئے ---چنانچہ--- کچھ افراد میدان میں آئے جنہوں نے مسلمانوں کے عقائد وایمان کے تحفظ کے لئے خود کو پیش کیا---کچھ شخصیات آگے بڑھیں اورانہوں نے اقتصادیات کے باب میں نمایاں خدمات کے عزم کاارادہ کیا---کچھ نیک طینت لوگ آگے آئے اورانہوں نے اسلامی سیاسیات کے لئے خود کو پیش کیا---چنانچہ--- ہم یہ کہنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتے کہ ۱۸۶۶ء میں قائم ہونے والے دارالعلوم دیوبنداور مظاہرعلوم سہارنپورنے تعلیم اورعقائد کی درستگی واصلاح کابیڑہ اٹھایا--- سر سیداحمد خانؒ اوران کے ہمنواؤں نے ۱۸۷۲ء میں مسلم یونیورسٹی کووجود بخشا---۱۸۹۴ء میں مولانا محمد علی مونگیریؒ نے ندوہ قائم کیا---مولانامحمد قاسم نانوتویؒ تحریک پر۱۲۹۶ھ میں مدرسہ شاہی قائم ہوا---اور---اس طرح خاموشی کے ساتھ کام شروع ہوا--- تھوڑے ہی عرصہ میں ان

خاموش دانشگاہوں کی خدمات نے اپنی نورانیت سے فضائے عالم کو منور کرنا شروع کیا۔۔اب مسلمانوں میں سیاسی قائدین بھی پیدا ہونے لگے۔۔۔دینی علوم کے ماہرین بھی۔۔۔دولت مندافراد بھی نظرآنے لگے۔۔۔عصری علوم کے ماہرین بھی۔۔۔اوراس کا فائدہ یہ ہوا کہ امت نے اجتماعیت عامہ کا مظاہرہ کیا۔۔۔نتیجہ ہمارے سامنے ہے ۔۔۔آزادیٔ ہند۔۔۔ قابض انگریزکوایک بار پھر وہیں جاناپڑا جہاں سے آئے تھے۔

فکر مند اور بیدار مغز علماء وصلحاء نے حالات کی نزاکتوں کا صحیح احساس فرماتے ہوئے حکمت عملی کے ساتھ دینی مدارس کی نشأۃ ثانیہ کی،دارالعلوم دیوبند،مظاہر علوم سہارنپور،شاہی مرادآباد،منبع العلوم گلاؤٹھی اور دیگر دینی ادارے اسی پس منظر میں وجود میں آئے،پھر قیام مدارس کا یہ بابرکت سلسلہ بڑھتا چلا گیا،انگریزی سامراج کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا،ہزار ذلت وخواری کے ساتھ اپنا بوریا بستر باندھ کر برطانیہ بھاگنا پڑا،ہمارا ملک آزادی کی فضا میں دوبارہ سانس لینے لگا،ہزار قربانیوں اوراور دشوار گزار مراحل طے کرنے کے بعد امت مسلمہ کی شیرازہ بندی اور ملکی عوام میں اعتماد وشعور کو بیدار کرنے کیلئے پورے ملک کا دورہ کیا،جگہ جگہ اسلامی قلعے اور دینی ادارے قائم کئے،مدارس دینیہ کا نصاب تعلیم اور نظام تربیت متعین کیا،مسلمانوں کے لئے مثبت اور راہنما خطوط ونقوش وضع کئے،مسلمانوں کی بیداری سے لیکر ان کی معاشی واقتصادی دشواریوں تک کو دور کیا،قرآن کریم کی شاندار تعلیمات کا انھیں خوگر بنایا اورآزاد ملک کی آزاد فضا میں آزادی کے ساتھ دینیات کے فروغ وعروج کے مواقع فراہم فرمائے۔

دینی مدارس بلاشبہ اسلامی قلعے ہیں، جہاں مسلمانوں کو درپیش تمام معاملات اور چیلنجز سے نمٹنے کے مثبت حل موجود ہیں، اخلاقیات، سیاسیات، اقتصادیات اور معاشیات سے لے کر تہذیب وتمدن کے ہر باب میں اس کی روشن تعلیمات ہمیں دعوت استفادہ دے رہی ہیں، صرف جوش وجذبہ اور عزم وحوصلہ کی ضرورت ہے۔

اس وقت دینی مدارس کا کام اور ان کی ذمہ داریاں پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی ہیں، اہل مدارس کو قدم قدم پر نئے حالات، نئے تقاضوں، مخالف ماحول اور فتنہ پرور طاقتوں کی منصوبہ بند سازشوں سے نمٹنے کے لئے مثبت اور دوررَس طرز وطریق کو اختیار کئے بغیر کامیابی نہیں مل سکتی۔

ہمیں تسلیم ہے کہ دینی مدارس تعلیم وتعلم اور درس وتدریس کے لئے مخصوص ہیں لیکن کیا حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے قیام دارالعلوم اور تعلیم وتدریس کے علاوہ اسلام کی صیانت وحفاظت اور ملک کی آزادی وسالمیت کیلئے جنگ آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ نہیں لیا۔۔؟ کیا وہ رات کے عابد اور دن کے سپاہی نہیں تھے۔۔۔۔۔؟ کیا انہوں نے اسلام کی ترویج واشاعت کیلئے اسفار نہیں فرمائے۔۔۔۔۔؟ حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ اور نہ جانے کتنے علماء کرام اگر ایک طرف دینی مدارس کے روح رواں تھے تو دوسری طرف صیانت اسلام کے لئے میدان کارزار کے مرد مجاہد بھی تھے۔

سید الطائفہ حضرت اقدس حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے جب دیکھا کہ ملکی صورت حال بد سے بدتر ہوتی جارہی ہے، اسلام مخالف طاقتیں اسلام کو مٹانے کے درپے ہیں تو خانقاہ سے نکل کر میدان میں آگئے اور پورے کارواں کی قیادت وسیادت فرمائی، اس لئے کہ اس وقت اسی کی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔

ہمارے مدارس دینیہ کے قائدین اور اس کے خدمت گاروں کو بھی اپنے اکابر کی طرح اسلام کی ہمہ جہت خدمات کیلئے خود کو ہر وقت تیار رکھنے اور عوام کی قیادت سے لے کر ملکی سیاست تک ،معاشی استحکام سے لے کر اقتصادی معاملات تک ہر میدان میں آگے آنے کی ضرورت ہے۔

باطل طاقتیں متحد ہو کر اسلام کو بدنام کرنے کے لئے نئے نئے منصوبے اور سازشیں کر رہی ہیں ---اسلام کو بیک وقت یہودیت، عیسائیت، بدھ مت اور تنگ نظر ہندومت کی سازشوں کا سامنا ہے --- باطل آئے دن نئے رنگ، نئی اسکیم، نئی فکر اور نئی حکمت عملی سے اسلامی علَم کو سر نگوں کرنے پر تلا ہوا ہے --- کبھی قرآن کریم کو ہدف بنایا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس سے دہشت گردی کو بڑھاوا ملتا ہے --- کبھی قرآن میں تغیر و تبدل کی آوازیں بلند ہوتی ہیں اور بعض آیات کو قرآن سے ہٹانے کی مانگ ہوتی ہے --- کبھی شریعت اسلامیہ پر انگشت نمائی ہوتی ہے اور فروعی مسائل کو ہوا دیکر مسلمانوں کو لڑانے کی کوشش ہوتی ہے ---

دینی اور شرعی مسائل کو موضوع بناکر اسلام کی شبیہ کو داغدار کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔۔۔ سرکاری نصاب میں ایسامواداور میٹر شائع کیا جاتاہے جس سے اسلام اور مسلمانوں کی دل آزاری ہوسکے۔۔۔ کبھی وندے ماترم کا ترانہ ہر طالب علم کے لئے ضروری اور لابدی قرار دیاجاتاہے۔۔۔

سرکاری اسکولوں میں بچوں کی ذہن سازی ایسے انداز میں ہوتی ہے کہ وہ رفتہ رفتہ اسلام سے دور ہوتے چلے جاتے ہیں۔۔۔اسلام اور اسلامی تاریخ سے بدظن کرنے والا مواد بچوں کے سامنے پیش کیا جاتاہے۔۔۔ مسلم مجاہدین آزادی کے ناموں اور کارناموں کو سرکاری نصاب سے منصوبہ بندی کیساتھ ختم کیا جارہاہے۔۔۔ سرکاری نصاب میں مغل حکمرانوں کو ظالم وجابر باور کرایاجارہاہے۔۔۔ شاہ بانو کیس ہویا تین طلاق کامسئلہ متعصب ذہنیت نے ہر موقع پر اسلام کوبدنام کرنے کی کوشش کی ہے۔۔۔

دینی مدارس کو دہشت گردی کے اڈوں سے تعبیر کیا جانے لگاہے۔۔۔ دینی مدارس کو ملکی سالمیت کے لئے خطرہ بتایا جانے لگاہے۔۔۔۔ ہندوستانی مسلمانوں پر بیرونی ممالک کے ایجنٹ اور ملک کے غدار جیسے الزامات لگائے گئے۔۔۔ فعال اسلامی شخصیات کو مختلف طریقوں سے نرغہ میں لے کر جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈھکیل دیاگیا۔۔۔ دینی مدارس سے مربوط اساتذہ وطلبہ کو ہراساں کیاجارہاہے اور صرف شک کی بناپر زدوکوب کیا جارہاہے۔۔۔

دینی نصاب تعلیم اور نظام تربیت میں تبدیلی کی مانگ کی جارہی ہے۔۔۔دینی مدارس کو رجسٹرڈ کرانے کے لئے منصوبہ بند قوانین بنائے گئے۔۔۔رجسٹرڈ مدارس میں سرکاری نصاب تعلیم کورائج کرنے کی مانگ کی گئی۔۔۔اترپردیش حکومت نے عبادت گاہ بل پیش کرکے تاریخ کا بدترین جرم کیا۔۔۔دینی مدارس کی ساکھ کو مجروح کرنے کی ہر وقت کوششیں ہورہی ہیں۔۔۔سفرکے دوران طلبہ واساتذہ کو ہراساں اور ان کے ساتھ معاندانہ رویہ اختیار کیا جاتاہے۔۔۔

تنگ نظر متعصب لیڈران آئے دن اسلام اور مسلمانوں کے خلاف دل آزار بیانات دیتے رہتے ہیں۔۔۔مدارس اسلامیہ پر انگشت نمائی کا کوئی موقع فروگذاشت نہیں کیا جاتاہے۔۔۔کبھی محض شک کے دائرے میں ندوۃ العلماء لکھنؤ پر شب خون مارا جاتا ہے کبھی گجرات کے ایک عالم دین کو بلا ثبوت قید واذیت سے دوچار ہوناپڑتاہے۔۔۔کبھی ہاپوڑ کے ایک مدرسہ میں ایک طالب علم کو محض شک کی بناپر پکڑکر پس دیوار زنداں کردیا جاتاہے۔۔۔کبھی سہارنپور کے مدارس سے علماء کی گرفتاریاں عمل میں آتی ہیں۔۔۔کبھی ملت اسلامیہ کے دلوں کی دھڑکن مولانا سید علی میاں ندویؒ کی خانہ تلاشی ہوتی ہے۔۔۔کبھی پارلیمنٹ کے اندر ۲۰ کروڑ ہندستانیوں کو ''پاکستانی'' کہہ کر دل کی بھڑاس نکالی جاتی ہے۔۔۔کبھی منصوبہ بندی کے ساتھ ملک کے مختلف علاقوں میں فساد برپا کرایاجاتاہے۔۔۔کبھی ملیانہ ،ہاشم پورہ ،بھاگلپوراور گجرات کے طرز پر مسلمانوں کی اجتماعی نسل کشی ہوتی ہے۔۔۔لاکھوں آسامی اور بنگالی

مسلمانوں کو ''بنگلہ دیشی'' کہہ کر اپنی زمین جائداد اور دولت سے محروم کیا جاتا ہے۔۔۔ کبھی مسلم شہروں کے ناموں کے بدلنے کی سازشیں رچی جاتی ہیں۔۔۔ کبھی مالیگاؤں، دیوبند، لکھنؤ اور اعظم گڑھ سے بے قصور نوجوانوں کو گرفتار کر کے پس دیوار زنداں کر دیا جاتا ہے۔

کیا آپ نے کبھی غور کیا کہ یہ سب مسلسل واقعات کیوں پیش آرہے ہیں۔۔۔؟ کیوں بعض گندی ذہنیت رکھنے والے افراد اسلام کے خلاف ہرزہ سرائی کر رہے ہیں۔۔۔؟ دینی مدارس اور ہندستانی مسلمان تنگ نظر متعصب حکمرانوں کے ظلم وستم کا شکار کیوں ہیں۔۔۔۔۔؟ علماء کرام اور اہل علم طبقہ کیوں آئے دن ہراساں کیا جارہا ہے۔۔۔؟ قرآن کریم اور اکابر امت کیوں ہدف تنقید بن رہے ہیں۔۔۔؟ ظاہر ہے جب تک ہماری مضبوط قیادت تھی۔۔۔۔۔دشمنوں کی زبانیں گنگ تھیں۔۔۔۔۔جب تک ہمارے مدارس میں اسلام کے تحفظ وبقا اور اس کی نشو ونما کے ہمہ جہت امور انجام پاتے رہے۔۔۔۔۔حالات ہمارے موافق تھے۔۔۔اور۔۔۔ جب ہم صرف مدارس کی چہار دیواریوں اور خانقاہوں تک محدود ہوگئے۔۔۔تو حالات نے ہم سے رخ موڑ لیا۔۔۔

جب ہمارے عوام ہماری علمی، دینی سیاسی اقتصادی اور معاشی قیادت سے محروم ہوگئے تو خود ہمارے گھروں کی دیواریں ہم پر تنگ ہوگئیں۔۔۔! ہم زمین کے لئے بوجھ بن گئے۔۔۔! عرصۂ حیات تنگ ہوگیا۔۔۔ہم سے آزادی کا مفہوم چھن گیا۔۔۔اور۔۔۔ہم

ذہنی، تہذیبی، معاشی اور اقتصادی اعتبار سے ہر میدان میں اغیار کے غلام ہوگئے۔۔۔! ہماری حیثیت کھوگئی اور ذلت وخواری ہمارا مقدر بن گئی۔۔۔!

اس وقت دینی مدارس کے اندر تعلیم وتعلم کے ساتھ طلبہ کو یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ قوم کے تم سے کیا مطالبات ہیں۔۔۔؟عوام تمہیں کس رنگ میں دیکھنا چاہتی ہے۔۔۔؟مسلم قوم کو تم سے کیا توقعات وابستہ ہیں۔۔۔؟ مدارس سے فراغت کے بعد تمہیں قوم کا راہبر اور راہنما بننا ہے۔۔۔! تمہیں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ وقتی حالات اور مخالفانہ ماحول کا رخ پھیرنے کے لئے کیا کیا تیاریاں کرنی ہیں۔۔۔؟کس مذہب اور قوم سے کس انداز اور گفتار کا مظاہرہ کرنا ہے۔۔۔؟

وقار ومتانت اور سنجیدگی بڑے سے بڑے طوفانوں اور سیلابوں کا رخ پھیرنے کی طاقت رکھتی ہے، تمہیں اپنے بزرگوں کے کارناموں کو کس طرح زندہ وتابندہ رکھنا ہے۔۔۔! تمہارے کردار کی بلندی، تمہارے افکار کی پاکیزگی اور تمہارے مزاج ومذاق کی طہارت سے کیا کیااثرات اور ثمرات مرتب ہوسکتے ہیں۔۔۔؟اپنے اکابر کے نقوش، بزرگوں کی تعلیمات، پہلوں کے کارنامے اور صف اول کی اسلامی شخصیات سے تمہیں کیا سیکھنا ہے اور کیا کرنا ہے۔۔۔؟

دینی مدارس کے اساتذہ اپنے طلبہ کو مدارس کی تاریخ بتائیں، انھیں سمجھائیں کہ شاندار ماضی کی طرح تابناک مستقبل کی تعمیر کے لئے کیا چیز ضروری ہے اور کس چیز سے بچنا ہے کیونکہ

اسی دریا سے اٹھتی ہے وہ موج تند جولاں بھی

نہنگوں کے نشیمن ہوتے ہیں جس سے تہہ وبالا